زاہدہ حنا کے افسانوں میں نوتاریخیت

("تتلیاں ڈھونڈنے والی" اور "رقص بسمل ہے" کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم۔ فل (اُردو)

مقالہ نگار:

سمعیہ شکور

مجوزہ نگران:

ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

شریک نگران:

ڈاکٹر نازیہ یونس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

ستمبر ۲۰۱۹ء

©

زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت

("تتلیاں ڈھونڈنے والی" اور "رقص بسمل ہے" کے حوالے سے)

مقالہ نگار:

سمعیہ شکور

یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگو یجز

(اُردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

ستمبر ۲۰۱۹ء

©

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگو ئجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت**

پیش کار: سمعیہ شکور رجسٹریشن نمبر:1328/M/U/S17

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ زبان و ادب اردو

ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان: ____________________

نگران مقالہ

ڈاکٹر نازیہ یونس: ____________________

شریک نگران

پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد محمود ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگو ئجز

بریگیڈئر محمد ابراہیم ____________________

ڈائریکٹر جنرل

____

تاریخ

اقرارنامہ

میں، سمیعہ شکور حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنلیونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد کے ایم۔ فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر نازیہ یونس اور ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔

سمعیہ شکور

مقالہ نگار

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	III
اقرار نامہ	IV
فہرست ابواب	V
Abstract	VIII
اظہارِ تشکر	IX
باب اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث	۱
الف۔ تمہید	۱
i۔ موضوع کا تعارف	۱
ii۔ بیان مسئلہ	۱
iii۔ مقاصد تحقیق	۲
iv۔ تحقیقی سوالات	۲
v۔ نظری دائرہ کار	۲
vi۔ تحقیقی طریقہ کار	۳
vii۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	۳
viii۔ تحدید	۳
ix۔ پس منظری مطالعہ	۳

x۔ تحقیق کی اہمیت ۴

ب۔ زاہدہ حنا تعارف ۴

ج۔ نو تاریخیت (اجمالی جائزہ) ۸

د۔ نئی تاریخیت کا آغاز ۱۱

ر۔ نو تاریخیت کی بنیاد اور تصورات ۱۶

۔ حوالہ جات ۲۵

باب دوم: زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا موضوعاتی مطالعہ ۲۷

الف۔ سماجی موضوعات ۲۸

ب۔ نفسیاتی موضوعات ۳۵

ج۔ مذہبی موضوعات ۴۲

د۔ سیاسی موضوعات ۴۸

۔ حوالہ جات ۵۷

باب سوم: زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا اسلوبی جائزہ ۶۱

الف۔ زبان و بیان ۶۴

ب۔ تشبیہات ۷۰

ج۔ علامت نگاری ۷۵

۔ حوالہ جات ۹۱

باب چہارم: زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا فنی جائزہ ۹۲

الف۔ پلاٹ	۹۶
ب۔ کردار	۹۹
ج۔ مکالمہ	۱۱۲
۔ حوالہ جات	۱۲۱
باب پنجم: ماحصل	۱۲۴
الف۔ مجموعی جائزہ	۱۳۰
ب۔ نتائج	۱۳۰
ج۔ سفارشات	۱۳۱
۔ کتابیات	۱۳۲

ABSTRACT

New historicism is a post-modern critical theory which aims to understand history through literature and literarture through its cultural context. New historicism looks at literature in wider historical context, examining both how the writer's times, in turn recognizing that current cultural contexts colour that critic's conclusion. The main focus is to look at the elements outside the work instead of just reading the text, thus it also influences other.

The topic of my thesis is to analyze new historicism of Zahida Hina's fiction stories. She has written many fiction stories however, in this thesis two fiction stories have been taken out of all her fiction stories.New historicism is discussed in the light of urdu literature. Thesis contain the fiction stories of Zahida Hina in the context of new historicism, in which both fiction stories of Zahida Hina names as "Titlian Dhoondany Waly" and "Raksay-eBismil" has been discussed. Social, phycological, religion, political topics and new historicism has been also addressed.

She raised voice against social injustices and political situation. Her fiction needs to be analyse in the light of modern western ideas. Since the Subject of reseach was new historicism in Zahida Hina, short stories. Publications on the subject have been collected, arrange, studied and analyzed. This thesis will be helpful in the context of new historicism in urdu fiction.

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے اس قدر حوصلہ اور ہمت عطا کی کہ میں ایم۔ فل کا مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

اس کے بعد میں اپنے تمام اساتذہ کرام کی شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے مجھے ہر معاملے میں بہترین مشوروں سے نوازا اور میری حوصلہ افزائی کی اس کے علاوہ بھی ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان اور ڈاکٹر نازیہ یونس کی بے حد مشکور ہوں جن کی زیر نگرانی میرا یہ تحقیقی مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا اس دورانیے میں انہوں نے میری مدد کی موضوع کے انتخاب سے لے کر اس کو انجام تک پہنچانے میں میرا حوصلہ بڑھایا۔

اس کے بعد اپنے شوہر اور اپنے والدین کا شکر ادا کرتی ہوں جن کی دعاؤں کی بدولت میرا مقالہ مکمل ہوا۔ میری خدا سے دعا ہے کہ اللہ ان کی عمر دراز کرے اور ان کو صحت عطا فرمائے (آمین)۔ اس کے علاوہ میں اپنے ہم جماعت ساتھیوں اور بہنوں بھائیوں کا بھی شکر ادا کرتی ہوں اور ہر اس شخص کا جس نے میری رہنمائی فرمائی اور اس مقالے کی تکمیل کے لئے میری مدد کی۔ میں ان سب کے لئے خدا سے دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں صحت عطا فرمائے (آمین)۔

سمعیہ شکور
اسکالر ایم۔ فل اردو

باب اول:

موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

i۔ موضوع کا تعارف

جس طرح انسان اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔اسی طرح ادب اور تاریخ کا بھی آپس میں گہرا رشتہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرت کے ساتھ ساتھ ادب کا بھی تاریخی حوالے سے جائزہ لیا جاتا ہے۔مجوزہ تحقیقی مقالے کا موضوع "زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت "ہے۔ہر صدی میں انقلاب آتے رہتے ہیں،اور یہ انقلاب ادبی منظر نامے میں بھی جابجا نظر آتا ہے۔گزشتہ صدی میں ادب و فن میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تاریخ کے شعبے میں بھی تبدیلی آئی۔تاریخ میں نئے نئے نظریات آتے چلے گئے یوں ان نظریات کی بدولت ادبی تاریخ بھی متاثر ہوتی چلی گئی۔زاہدہ حنا نے اپنی نثر جس میں افسانوں کی بدولت ان کو شہرت حاصل ہوئی۔ان کی تحریروں میں زندگی کی پیچیدگیوں کی مکمل عکاسی نظر آتی ہے۔ان کے افسانوی مجموعے "قیدی سانس لیتا ہے"، "راہ میں اجل ہے" اور "رقص بسمل ہے" ہیں۔زاہدہ حنا نے تاریخ و تہذیب کے امتزاج سے انہوں نے یادگار افسانے تخلیق کیے ہیں۔ان کے افسانوں میں نیا احساس اور انسانی تجربے کے عمدہ منظر دکھائی دیتے ہیں۔اردو میں نو تاریخیت کے تناظر میں زاہدہ حنا کے افسانوں کا تجزیہ اس مقالے کا مقصود ہے۔

ii۔ بیان مسئلہ

زاہدہ حنا کی تحریریں جدت طرازی کی حامل ہیں۔ان کا اسلوب و آہنگ انوکھا، نو تاریخیت سے بھرپور اور تفکر سے لبریز ہے۔انھوں نے تاریخ کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے جو ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔چنانچہ میرے ایم فل کے تحقیقی مقالے کا موضوع زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا تجزیہ کرنا ہے۔

iii۔ مقاصد تحقیق

مجوزہ تحقیقی مقالے کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ نو تاریخیت کا مطالعہ کرنا۔

۲۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا جائزہ لینا۔

۳۔ نو تاریخیت کے تناظر میں زاہدہ حنا کے افسانوں کا موضوعاتی، فنی اور اسلوبی جائزہ لینا۔

iv۔ تحقیقی سوالات

مجوزہ تحقیقی موضوع "زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت" کے لیے درج ذیل تحقیقی سوالات سامنے رکھے گئے ہیں۔

۱۔ زاہدہ حنا کہ افسانوں میں نو تاریخیت کا بیان کیسا ہے؟

۲۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کے موضوعات کیا ہیں؟

۳۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کے حوالے سے اسلوبی اور فنی طریقے کیا ہیں؟

v۔ نظری دائرہ کار

زاہدہ حنا بیسویں صدی میں اردو ادب میں جدید رجحان پیش کرنے والے افسانہ نگاروں میں شامل ہیں انہوں نے بہت کم عرصہ میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل کی اور افسانوں میں کلچر اور تاریخ کو موضوع بنایا ہے۔ اس تاریخ کے ذریعے انہوں نے معاشرتی اور سیاسی صورت حال کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

vi۔ تحقیقی طریقہ کار

تحقیق کا انداز تاریخی اور دستاویزی تھا اور دوران تحقیق زاہدہ حنا سے انٹرویو کیے گے۔ بنیادی کتب تک رسائی حاصل کی گی۔ اس سلسلے میں ان پر کیے جانے والے مقالے بھی قابل توجہ رہے۔ ادبی جریدوں میں شائع ہونے والے مضامین سے استفادہ کیا گا اور کتب خانوں سے شواہد کی جمع آوری کرتے ہوئے تحقیقی و تنقیدی کام انجام دیا گیا۔

vii۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق

مجوزہ تحقیقی مقالے کا موضوع "زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت " ہے۔ اس حوالے سے کسی سطح پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا اس کے بر عکس ان کی ادبی خدمات جس میں کالم نگاری کے حوالے سے ایم اے کی سطح پر سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

viii۔ تحدید

زاہدہ حنا کے افسانوں کا نو تاریخیت کے تناظر میں جائزہ لیا گیا اس ضمن میں ان کے تین افسانوی مجموعوں کو پیش نظر تھے اور نو تاریخیت کے عناصر کی تہذیبی و فنی سطح پر نشاندہی کرتے ہوئے ان کا تجزیہ اور محاکمہ پیش کیا گیا میری تحقیق کا دائرہ کار ان کے افسانوی مجموعوں میں موجود نو تاریخیت کے عناصر تک محدود رہا۔ اس کے علاوہ کالم نگاری اور ناول نگاری میری تحقیق کا حصہ نہیں تھے۔

ix۔ پس منظری مطالعہ

زاہدہ حنا کے افسانوں کے حوالے سے شائع ہونے والے مضامین کا مطالعہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے حوالے سے لکھی گئی تحقیقی و تنقیدی کتب کو سامنے رکھا گیا۔

x۔ تحقیق کی اہمیت

زاہدہ حنا کے افسانوی موضوعات میں نو تاریخیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے انہوں نے افسانوں میں تاریخ کی عکاسی کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے تخیل کی مدد سے تاریخ کو بیان کیا ہے بلکہ اپنے زمانے کی صورت حال کو بھی بیان کیا ہے۔ افسانوں میں نو تاریخیت کے رجحان کی تفہیم میں یہ مقالہ معاون ثابت ہو گا۔

ب۔ زاہدہ حنا تعارف

برصغیر کی بے باک کالم نگار، ادیبہ، افسانہ نگار، ناول نگار اور شاعرہ زاہدہ حنا ۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے گاؤں سہسرام میں پیدا ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام شمس النسا اور والد کا نام محمد ابو الخیر ہے۔ زاہدہ حنا کے والد محمد ابوالخیر نے انگریزوں سے نفرت کی وجہ سے شورش اور بغاوت کے جرم میں ڈھائی سال قید کاٹی۔ اس باغی کی بیٹی زاہدہ حنا کے خون میں وراثت سے ملنے والی بے خوفی اور ظلم کے خلاف للکار کی روش موجود ہے۔ سہسرام میں جنم لینے والی زاہدہ حنا ڈیڑھ برس کی عمر میں والدین کے ہمراہ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئیں۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستان اور ہندوستان الگ ہوئے بہت سے لوگ ہندوستان سے پاکستان آئے اور بہت سے پاکستان سے ہندوستان گئے۔ زاہدہ حنا کے والدین بھی پاکستان آ گے اور یہاں کراچی میں آ کر آباد گئے۔ اگر چہ اس سرزمین کی زاہدہ حنا کی یاداشت میں کوئی یاد نہیں ویسے بھی ڈیڑھ سالہ بچے کی کیا یاداشت ہو گی لیکن والدین کی بڑی بیٹی ہونے کے ناطے اس سرزمین سے دوری اور محبت کو شدت سے محسوس کرتیں ہیں۔

زاہدہ حنا کو شروع سے ہی ادبی ماحول ملا۔ ادبی ذوق کی پرورش والد اور والدہ کے ادبی ذوق اور کتب خانے نے اہم کردار ادا کیا جس کی وجہ سے انہوں نے نو برس کی عمر میں کہانی لکھ ڈالی۔ زاہدہ حنا کے بارے میں آسیہ نازلی لکھتی ہیں:

”زاہدہ حنا کی زندگی کا زیادہ تر وقت تنہائی میں پڑھنے اور خود کو سمجھنے میں گزرا اسی ماحول کے نتیجے میں نو برس کی عمر میں پہلی رومانوی کہانی تحریر کی اور جب یہ احساس ہوا کہ لکھ سکتی ہیں تو پھر زندگی بھر قلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔“(۱)

زاہدہ حنا کی رسم بسم اللہ ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۸ء تک گھر میں والد کی زیر نگرانی انگریزی، فارسی، ریاضی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ معاشی حالات کی وجہ سے پہلی مرتبہ ان کا سکول میں داخلہ ساتویں جماعت میں ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں کاسموپولیٹن گرلز سیکنڈری سکول سے میٹرک کیا۔ ۱۹۶۶ء میں اسلامیہ کالج فار وومین کراچی سے گریجویشن کرنے کے بعد ناگزیر حالات کا سامنا رہا جس کے باعث مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکیں لیکن زاہدہ حنا نے زندگی کو گھر کی چار دیواری تک محدود نہیں رکھا بلکہ زندگی کی کڑی دھوپ میں مسلسل محنت کرتے ہوئے زندگی کا سفر طے کیا ہے۔ انہوں نے تعلیمی سفر کے دوران ہی ۱۹۶۲ء میں ملازمت اختیار کر لی اور کراچی میں ہی گرین ووڈ گرائمر سکول میں بطور کیشئر رہیں۔ گریجویشن کے بعد ان کو بینک میں ملازمت مل گئی۔ اس حوالے زاہدہ حنا انٹرویو میں کہتی ہیں۔

”میں کیشئر میں تھی ۱۸ برس کی عمر میں بینک میں ملازمت مل گئی اسی دوران گریجویشن کر لیا۔ اس وقت گریجویشن کرنے والوں کو جونیئر آفسر بنایا جاتا تھا۔ اس وقت میری تنخوا ۸۰۰ روپے بتائی گئی۔“(۲)

۱۹۶۶ء میں اخبار خواتین کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر مقرر ہوئیں پھر روزنامہ "مشرق" میں ٹرانسفر ہو گیا۔ ڈھائی برس تک وائس آف امریکہ، کے کراچی آفس میں بطور فیچر رائٹر اور پروگرام پروڈیوسر کام کیا۔ ۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۲ء تک عالمی ڈائجسٹ کی مدیر رہیں۔ ۱۹۸۷ء میں بی بی سی اردو سروس میں پروگرام پروڈیوسر ہو کر لندن چلی گئیں لیکن سوا سال بعد انہوں نے یہاں سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۸۸ء سے ۲۰۰۶ء روزنامہ جنگ میں ”نرم گرم“ کے عنوان سے کالم تحریر کیے۔ ۲۰۰۶ء سے اب تک روزنامہ ایکسپریس میں اسی عنوان کے تحت کالم تحریر کر رہی ہیں۔ ان کے کالم سندھی اخبار "عبرت" اور ہندوستان کے اخبار” ڈینیک

بھاسکر" میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں زاہدہ حنا رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئیں اور مشہور شاعر جون ایلیا سے شادی ہوئی لیکن یہ شادی زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی اور دونوں علیحدہ ہو گئے۔ زاہدہ حنا اپنے اور جون ایلیا کے ذاتی حالات کے بارے بات کرنا پسند نہیں کرتیں۔

اس حوالے سے آسیہ نازلی لکھتی ہیں۔

> "زاہدہ حنا نے کبھی خود پر مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر دکھ بھری داستانیں سناتے ہوئے لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ بڑی وضع داری کے ساتھ اسے اپنا ذاتی معاملہ قرار دیتے ہوئے بات کرنے سے گریز کرتی ہیں۔"[۳]

زاہدہ حنا کی اولاد میں ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام فینانہ بیٹی کا نام سمینا اور چھوٹے بیٹے کا نام ذریون رکھا۔ زاہدہ حنا کو بچپن سے ہی ادب سے شغف تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے ۹ سال کی کم عمری میں ہی لکھنا شروع کر دیا مگر باقاعدہ طور پر ان کا پہلا مضمون "دورِ جدید کا پیشرو یونان" ماہنامہ، انشاء، کراچی میں ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ پہلا افسانہ "فردوس گشتہ" ماہنامہ "ہم قلم" کراچی میں اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے افسانوں میں۔

۱۔ "قیدی سانس لیتا ہے" مکتبہ روشن خیال نے ۱۹۸۳ء میں پہلا ایڈیشن شائع کیا۔ اس مجموعے میں بارہ افسانے شامل ہیں۔

۲۔ "راہ میں اجل ہے" دانیال پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ چھ افسانے اور ایک ناولٹ اس مجموعے میں شامل ہیں۔

۳۔ تتلیاں ڈھونڈنے والی زاہدہ حنا کے پہلے دو افسانوی مجموعوں کے افسانوں کو یکجا کر کے ایک مجموعے کو تخلیق کار پبلشرز، دہلی نے ۲۰۰۷ء میں اور الحمد پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا مگر اس میں دونوں افسانوی مجموعوں کے صرف افسانے شامل کیے گئے۔ ناولٹ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔

۴۔ "رقص بسمل ہے" الحمد پبلی کیشنز، لاہور نے مارچ ۲۰۱۱ء میں شائع کیا اس مجموعے میں تیرہ افسانے شامل ہیں۔

ناولٹ "نہ جنون رہا نہ پری رہی" یہ ناولٹ زاہدہ حنا کے دوسرے افسانوی مجموعے میں شامل تھا۔ مگر اس کو الگ کتابی صورت میں وانی پرکاش نے ہندی میں ترجمہ کر کے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ زبان پبلی کیشنز All Passion Spent کے عنوان سے انگریزی ترجمہ ۲۰۱۱ء میں اور پاکستان میں الحمد پبلی کیشنز، لاہور نے اردو ترجمہ ۲۰۱۲ میں شائع کیا۔ عورت زندگی کا زندان کے عنوان سے مضامین کا مجموعہ شہر زاد پبلی کیشنز، کراچی سے ۲۰۰۴ میں شائع ہوا۔ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے حصے کو "زندگی" اور دوسرے حصے کو "ادب" کا عنوان دیا گیا۔

ڈاکٹر مظہر عباس اپنے مضمون عورت اور زاہدہ حنا میں لکھتے ہیں۔

> "زاہدہ حنا طویل عرصہ سے اخبارات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے کالم باقاعدگی کے ساتھ اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ "عورت زندگی کا زندان" ادبی اور صحافتی اسلوب کا عمدہ امتزاج ہے کتاب میں شامل مضامین ۱۳ سال سے لے کر تقریباً تیس برس پرانے ہیں۔"(۴)

کالموں کے مجموعہ میں جنگ اور امن کے موضوعات پر امید سحر کی بات سنو' کے عنوان سے پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی نے ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔ کالم کے حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

> "میں بہترین کالم نگار ہوں کے نہیں مگر یقینی طور پر کالم نگار ہوں۔"(۵)

اس کے علاوہ زاہدہ حنا نے مختلف کتابوں کے تراجم بھی کیے جن میں "Scheherazade goes west" کا ترجمہ "شہر زاد مغرب" کے عنوان سے کیا جیسے مشعل بکس، لاہور نے ۲۰۱۱ میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ گلین ڈی پیج کی کتاب "The non killing political science" کا ترجمہ "ہداکت گریز عالمی سیاست" کے عنوان سے کیا۔ جسے فکشن ہاؤس، لاہور ۲۰۸۵ء میں شائع کیا گیا۔ زاہدہ حنا کو ایوارڈ ملنے کا سلسلہ انہیں آٹھویں کلاس سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ پہلا انعام انہیں کاسموپولیٹن گرلز سکول سے ملا۔ صحافت سے جب وابستہ ہوئی تو انہیں "فیض احمد فیض ایوارڈ، لٹریری پرفارمنس ایوارڈ، کے پی ایم ایوارڈ برائے بہترین افسانہ نگار، سندھ سپیکر ایوارڈ، SAARC ایوارڈ ۲۰۰۱ء میں ملا پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ ۲۰۱۱ میں ملا۔

ج۔ نو تاریخیت:

الف۔ ادب اور تاریخ کا تعلق:

تاریخ کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا واسطہ ہر انسان اور صاحبِ شعور کے ساتھ پڑتا ہے۔ ہر شخص، ہر قوم اور ہر ملک کی اپنی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ جس طرح انسان اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اسی طرح تاریخ اور ادب کا بھی آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے انسانی معاشرت کے ساتھ ساتھ ادب کا بھی تاریخی حوالے سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ ادب اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ کسی بھی عہد میں رونما ہونے والے واقعات سے آگاہی ادب ہی کی بدولت ممکن ہوتی ہے۔ ادب حال میں تخلیق کیا جاتا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے ادب ماضی کا حصہ بنتا جاتا ہے اور بالآخر ایک ایساوقت آتا ہے کہ ادب کو ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یعنی ادب تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے۔ جس طرح انسان اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے اسی طرح ادب اور تاریخ کا ابھی آپس میں بہت گہرا رشتہ ہے۔ کسی بھی علاقے یا قوم کا ادب اس قوم کی شناخت ہوتا ہے۔ اس قوم یا علاقے کی تہذیب، سماج، سیاست، رسوم و رواج، ثقافت اور معاشرت وغیرہ سے آگاہی ادب کی تفہیم ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ کسی بھی قوم کے ادب کو اس کی تہذیب اور روایات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ادب کا کچھ حصہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے اور کچھ حصہ تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر ادب کی تشریح اور توضیح تاریخ کا جائزہ لیے بغیر ناممکن ہوتی ہے۔ چاہے وہ تاریخ کسی مخصوص عہد کی ہو، شاعری کی ہو، ناول کی ہو، تہذیب کی ہو یا زبان وغیرہ کی۔

بقول گوپی چند نارنگ:

> ”ادب تاریخ کا زائیدہ ہے اور ادب کا وہی مطالعہ صحیح اور مناسب ہے جو تاریخی اور سماجی تناظر میں کیا جائے۔“(۶)

ادب اور تاریخ کے رشتے کے بارے میں شروع ہی سے دو تنقیدی رویے چلے آرہے ہیں۔ گوپی چند نارنگ کے مطابق پہلا رویہ ''Mimesis'' کہلاتا ہے۔اس رویے کو نظریہ نقل کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ادب کو تاریخ کی نقل سمجھتا ہے اور افلاطون کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔اس نظریے کے مطابق ادب کا مطالعہ تاریخی اور سماجی تناظر میں کیا جانا چاہیے۔ حقیقت پسندی کے تمام دبستانوں کا تعلق ''نظریہ نقل'' سے ہے۔ یہ نظریہ خارجی اصولوں کی روشنی میں ادب کی جانچ پرکھ پر زور دیتا ہے۔ جب کہ دوسرا رویہ ادبی مطالعہ، ادبی اصولوں کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا ہے۔ یہ داخلی اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر ادب کی جانچ پرکھ کا قائل ہے۔ ہیئت پسندی کے تمام دبستانوں کا تعلق اسی اُصولِ نقد سے ہے۔ یہ ارسطو کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔

ادب روحِ عصر سے تازہ سانسیں وصول کرتا ہے۔ ہر ادیب زمانے اور ماحول سے اثرات قبول کر کے ادب تخلیق کرتا ہے۔ ادیب اپنے زمانے کے مسائل، مشکلات، حالات و واقعات اور رجحانات کو خوب صورت لفظوں اور لطیف پیرائے میں اپنے فن میں منعکس کرتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی ادیب اور اس کے ادب کو سمجھنے کے لیے اس دور کے تاریخی، معاشرتی، معاشی، سماجی اور سیاسی حالات کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ افلاطون کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ اس نے اس حوالے سے ادب کو دیکھنے اور پرکھنے کی پہلی بار کوشش کی۔ اس نے ادب کا رشتہ زندگی سے جوڑا۔ پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں کہ شاعری تاریخ کے مقابلے میں زیادہ فلسفیانہ اور اہم ہے کیوں کہ شاعر عمومیات کو پیش کرتا ہے، عالم گیر خصوصیات کو پیش کرتا ہے اور تاریخ، تفصیلات اور منفردات کو عالمگیر خصوصیات کے یہ معنی ہیں کہ کسی بھی ایسے کردار کو پیش کیا جا سکتا ہے جو ایک خالص حالت میں امکانی چیزوں کا اظہار کرے۔

ب۔ تاریخیت کیا ہے؟

ڈاکٹر اشرف کمال کہتے ہیں:

''تاریخیت سوچنے کا ایک ایسا انداز ہے۔ جس میں کسی مخصوص عہد کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یعنی تاریخی دور کا، جغرافیائی جگہ کا یا مقامی کلچر کا۔''(7)

طین کے مطابق ادب تاریخ اور ماحول کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بھی ادب جو اپنے عہد سے کٹا ہوا ہو قبولِ عام حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی بھی ادب کی سمجھ اور وضاحت کے لیے اس دور کی ذہنی اور شعوری کیفیات کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ طین ''فلاسفی آف آرٹ'' میں ادب اور ماحول کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''ہر شخص جانتا ہے کہ فن کار ایک گروہ کا فرد ہوتا ہے۔ جو بہر حال سے بڑا ہوتا ہے اور تمام فن کار جزوی طور پر اپنے زمانے کی پیداوار ہوتے ہیں۔''[۸]

طین کے خیال میں ادب کو جاننے اور پرکھنے کے لیے تاریخ کا حوالہ نہایت ضروری ہے۔ کسی بھی دور کے اخلاقی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی و معاشرتی و ثقافتی حالات کا اثر لازمی طور پر ادیب اور تخلیق کردہ ادب پر ہوتا ہے۔ یوسف حسین خان کہتے ہیں:

> ''طین کے نظامِ خیال میں سائنس کا سا لزوم پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے نزدیک ادب، انگریزی نسل اور آب و ہوا اور وہاں کے تاریخی ماحول / احوال کا نتیجہ ہے۔ شیکسپیئر، ملٹن اور براؤننگ بعض مخصوص حالات سے وجود میں آئے۔ اسی طرح رائیسن کا ڈراما اور شاعری فرانسیسی نسل، فرانس کی آب و ہوا اور اٹھارویں صدی کے تاریخی احوال کا عطیہ ہے۔''[۹]

ج۔ نو تاریخیت کیا ہے؟

ساٹھ کی دہائی میں ساختیات اور اس کے بعد پسِ ساختیات نے نئی تنقید کو براہِ راست نشانہ بنایا۔ اس اندازِ فکر نے ادب میں ثقافت کے عمل کی راہ ہموار کی۔ ردِ تشکیل کا دارومدار متن پر تھا۔ نئی تنقید اور ردِ تشکیل میں چونکہ زبان اور متن پر زور دیا جاتا تھا۔ اس لیے آہستہ آہستہ اس رویے کے خلاف ردِ عمل ظاہر ہوا۔ اس ردِ عمل کے نتیجے میں ادبی مطالعے کا جو رویہ ہمارے سامنے آیا اسے ''نو تاریخیت'' کا نام دیا گیا۔ گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

”نیو کرٹسزم اور ردِ تشکیل ان تمام رویوں کے خلاف، جو فقط زبان یا فقط لسانیات یا فقط متنیت پر زور دیتے ہیں، رفتہ رفتہ ایک بغاوت رونما ہوئی اور نتیجتاً ادبی مطالعہ کا جو نیا طور سامنے آیا اس کو نئی تاریخیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔“(۱۰)

نو تاریخیت دراصل قرات کے اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس طرح ادبی متون نہ صرف اپنے زمانے کے طور طریقوں اور اعتقادات کو بناتے بلکہ متاثر بھی کرتے ہیں۔ چونکہ ہر عہد کا ایک مخصوص ذہنی رویہ اور سوچنے کا انداز ہوتا ہے چنانچہ نو تاریخیت اس حوالے سے سوالات اُٹھاتی ہے کہ کیا ایک عہد کے ادب کا مطالعہ، دوسرے عہد میں معروضی طور پر کیا جا سکتا ہے؟ نیز وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے کے انداز اور رویے بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے کسی دوسرے زمانے میں بدلے ہوئے خیالات کے ساتھ کسی عہد کا معروضی مطالعہ کیا جا سکتا ہے؟ نو تاریخیت کسی بندھے ٹکے رویے کا نام نہیں ہے بلکہ تاریخ، ثقافت اور ادب کے پیچیدہ اور گہرے رشتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے طور طریقوں کے مجموعے کا نام ہے۔

د۔ نو تاریخیت کا آغاز:

۷۰ کی دہائی میں کیلیفورنیا میں، مختلف شعبہ جات اور مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مفکرین اکٹھے ہوئے۔ اس نشست میں تاریخ اور ادب، آرٹ اور تاریخ، علم بشریات اور ادب وغیرہ کا آپس میں تعلق زیرِ بحث لایا گیا۔ یہ دانشور ان دیواروں کو گرا دینا چاہتے تھے جنھوں نے ادب اور دوسرے مضامین کو ایک دوسرے سے الگ کر رکھا تھا۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں انہوں نے ”Representation“ کے نام سے ایک جرنل کا اجرا کیا۔ جس میں ادب کے تاریخ، آرٹ، سماج وغیرہ کے ساتھ تعلق پر توجہ مرکوز کی گئی۔ نو تاریخیت کے حامی بیشتر دانشوروں کی تحریریں اس جرنل میں شائع ہوئیں اور تنقیدی حوالے سے تاریخیت کا ایک نیا انداز متعارف ہوا۔

یہ تھیوری اتفاقیہ یا اچانک منظرِ عام پر نہیں آئی۔ بلکہ یہ اس وقت موجود رویوں اور تاریخ کے حوالے سے موجود مختلف نظریات اور تھیوریوں کا ردِ عمل تھا۔ نو تاریخیت کے حوالے سے اسٹیفن گرین بلاٹ (Stephen Greenblattand)اور کیتھرائن گلیگر(Catherine Gallagher)کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ان کا شمار نو تاریخیت کے بانیوں میں ہوتا ہے۔یہ مفکرین Michel Foucault, Clifford Greertzاور Raymond Williams کے نظریات سے متاثر تھے۔FoucaultMichel فرانسیسی مفکر تھا۔اس نے اپنی تحریروں میں اس بات کی وضاحت کی کہ ڈسکورس کیا ہے؟ڈسکورس کیسے کام کرتا ہے؟ طاقت اور علم کے تعلق کے بارے میں لکھا۔Greertz Cliffordعلم بشریات کا ماہر تھا۔اس کا خیال تھا کہ کلچر کا مطالعہ ایک متن کی طرح کیا جائے۔Raymondایک مارکسی ناقد تھا۔جس کا شمار ان اولین لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ادب اور معاشی و معاشرتی مسائل کے درمیان تعلق کا جائزہ لیا۔

فوکو کے نظریات نے اپنے عہد کو کافی متاثر کیا۔فوکو نے نظامِ فکر کی تاریخ کے نام سے اپنے فلسفے کو اجاگر کیا۔وہ روایتی فلسفہ اور تاریخ سے الگ نظریہ رکھتا ہے۔وہ نطشے سے متاثر تھا مگر اس پر کسی حد تک مارکس اور فرائیڈ کے اثرات بھی تھے۔وہ اپنی فکر کو انٹلکچوئل تاریخ سے الگ شناخت دلوانا چاہتا تھا۔اسٹیفن گرین بلاٹ اور اس کے ساتھیوں نے بیسویں صدی کے ان نابغوں کے افکار و خیالات کو ایک نئے انداز اور ایک نئی شکل میں متعارف کروایا۔اس حوالے سے گرین بلاٹ کی کتاب ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ "Rnaissance Self-Fashioning: From More to Shakespeare"یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے لوگ ایک نئے اندازِ فکر سے آگاہ ہوئے۔اس کتاب نے نو تاریخیت کے رجحان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا نیز ادب اور تنقید پر اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔اسٹیفن گرین بلاٹ نے نو تاریخیت کے حوالے سے بہت ہی کتابیں اور مقالات تحریر کیے۔

ڈاکٹر اشرف کمال کے مطابق:

"یہ اصطلاح نو تاریخیت گرین بلاٹ نے سب سے پہلے ۱۹۸۲ء میں The Power of Forms in the English Renaissance کے تعارف میں استعمال کی۔"(۱۱)

اسٹیفن گرین بلاٹ نے ۱۹۸۲ء میں Chicago میں چھپنے والے رسالے Genre میں علی الاعلان ادیبوں سے کہا کہ وہ ادبی متن پر تاریخ کے حوالے سے از سرِ نو غور کریں اور اس حوالے سے کام کریں۔ اسٹیفن گرین بلاٹ کے نزدیک نو تاریخیت نظریہ کم اور متن کی قرات زیادہ ہے۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ ہم انگریزی زبان کے عظیم لکھاریوں مثلاً شیکسپیئر اور کرسٹوفر مارلو وغیرہ کی تحریروں اور شخصیات کو تاریخی سیاق و سباق کے بغیر نہ تو درست انداز میں سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی تحریروں کی کوئی قدر و قیمت متعین کر سکتے ہیں۔ ناقدین نے انگریزی ادب کے احیائے نو کے سلسلے میں اس بات پر زور دیا کہ جس بھی عہد کے ادیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس عہد کے مروجہ عقائد، اصول وضوابط، حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تا کہ اس بات کا علم ہو سکے کہ اس عہد کا متن اور سیاق و سباق کس حد تک ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے؟

نو تاریخیت کے حوالے سے ایک اہم نام جوناتھن ڈولی مور (Jonathan Dollimore) کا ہے۔ ادب کے حوالے سے یہ ایک سماجی نظریہ ساز تھا۔ اس کی کتاب "RadicalTragedy" ۱۹۸۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔

جوناتھن ڈولی مور کے مطابق:

"ابتدائی جدید انگریزی ڈرامے کے حقیقی عمل کو جدید قاری کے لیے انسان دوست تنقیدی روایت نے مسخ کیا۔ جو کہ نظریاتی تنقید سے تعلق رکھتا ہے اور اس قسم کی نظریاتی تنقید نے سیاست اور طاقت کے رشتے اور انسان کی عدم مرکزیت کو موضوع بنایا۔"(۱۲)

اس حوالے سے ایک اہم نام جوناتھن گولڈ برگ (Jonathan Goldberg) کا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تاریخ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی تاریخ سے الگ ہوا جا سکتا ہے۔ تاریخ کا تعلق انسان کے ماضی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیبی اور ثقافتی اقدار سے بھی ہے۔

بقول ڈیوڈسن:

> ”تاریخ ایک کیلکولیٹنگ مشین نہیں ہے۔ یہ ذہن اور تخیل کو کھولتی اور عوامی ثقافت کے ردِ عمل میں مجسم ہو جاتی ہے۔“(۱۳)

۱۹۸۳ء میں جیرم میگن (Jerome McGann's) کی کتاب ”The Romantic Ideology: A Critical Investigation“ شائع ہوئی۔ جس میں مصنف نے نو تاریخیت کے حوالے سے رومانوی شعرا مثلاً شیلے، ورڈزورتھ اور شیکسپئیر کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا کہ آیا ان شعرا نے رومانویت کی آڑ میں اپنے عہد کے سیاسی حالات کی بات کی ہے یا پھر صرف پھولوں اور درختوں کے بارے میں لکھا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں گرین بلاٹ کی کتاب ” Shakespearean Negotiations:TheCirculation of Social Energy in Renaissance England“ سامنے آئی۔ اس کتاب میں اس عہد کے تہذیبی مطالعے کے ساتھ ساتھ اس بات کی وضاحت بھی ملتی ہے کہ کیسے سیاست اور معاشرتی اور سماجی حالات نے شیکسپئیر اور اس کے ڈراموں کو متاثر کیا۔ ۱۹۹۱ء کے ادبی نوبل انعام یافتہ لاطینی امریکہ کے شاعر اور مضمون نگار اوکتاویوپاز شاعر اور قاری کے بجائے زبان کو نظم کا اصل مصنف قرار دیتا ہے۔

اس کے بارے میں قمر جمیل لکھتے ہیں:

> ”اکتاویوپاز کہتا ہے کہ انسان کی فطرت ہی نے تاریخ، تہذیب اور آرٹ میں رنگارنگی پیدا کی ہے۔ جدید تہذیب کی بنیاد ماضی پر نہیں بلکہ تبدیلی پر ہے۔۔۔ نظم ایک ایسی تخلیق ہے جو زبان، آہنگ شاعر کے ایقان اور شاعر اور معاشرے کے کسی غلبہ پا جانے والے خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ نظم کی تخلیق میں ایک مخصوص تاریخ اور معاشرہ کارفرما ہوتا ہے“۔(۱۴)

ژاں پال سارتر ادب اور تنقیدی نظریات میں تاریخ کو اہمیت دیتا ہے۔ قمر جمیل سارتر کے خیالات کے بارے میں لکھتا ہے:

''کوئی مصنف تاریخ سے باہر چھلانگ نہیں لگا سکتا۔ نظریہ سے وابستگی کا مطلب ہی یہی ہے کہ اقدار کی حمایت کی جائے اور لکھنے والا اپنی پوری انسانی سچوئیشن اور اس کی مجموعیت کو پیشِ نظر رکھے۔''(۱۵)

ویسر (H. Aram Veeser) کی کتاب The New Historicism ۱۹۸۹ء میں منظرِ عام پر آئی۔ ویسر اس کتاب کے تعارف میں لکھتا ہے:

''ادبی تجزیئے کے نتائج اخذ کرتے ہوئے نو تاریخیت اور ہیئت آپس میں متصادم بلکہ متضاد ہیں ۔کیونکہ ہیئت پسندی تاریخ کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ نو تاریخیت کھوکھلی ہیئت پسندی کو جھنجھوڑتے ہوئے تاریخی عنصر کو ادبی تاریخ میں شامل کرتی ہے۔''(۱۵)

ویسر نے تاریخ کو ہیئت پر ترجیح دی ہے۔ اس کے خیال میں ادب کی تاریخ ہی ادبی روایت کی تشکیل کا باعث بنتی ہے۔ ویسر مزید لکھتا ہے:

''تاریخی نقاد ثقافت کو بیان کرنے کے طریقوں کو تاریخ سے اخذ کرتا ہے۔''(۱۶)

ویسر تاریخ اور نو تاریخیت کے بارے میں لکھتا ہے:

''نو تاریخیت تاریخ کے مختلف ادوار میں مستحکم تخلیق کاری کا سراغ دیتی ہے اور زیادہ تر نشاۃ ثانیہ کے فنکاروں نے بنیادی موضوعات اور اس کے متعلقات کو تشکیل دیا۔''(۱۷)

The New Histiricisim ایک ایسی کتاب ہے جس میں مختلف لوگوں کی تحریریں شامل ہیں۔ سٹیفن گرین بلاٹ کے تعارف کے بعد ویسر نے ثقافتی شعریات ، اور نو تاریخیت، سیاستاور نو تاریخیت، مارکسیت اور نو تاریخیت ، تاریخی شعور کی تشکیل میں ماضی کا کردار ، تاریخی ورثے کے لیے کی جانے والی کوششوں ، انگریزی رومانویت اور نو تاریخیت ، تانیثیت اور نو تاریخیت، قوم ، مثالی معاشرہ ادبی تنقید اور نو تاریخیت وغیرہ کے حوالے سے تحریریں شامل کی ہیں۔

ر۔ نو تاریخیت کی بنیاد اور تصورات:

نو تاریخیت میں اس خیال کو زیرِ بحث لایا گیا ہے کہ صرف کلچر ہی ایک اکیلا مکمل نظام نہیں ہے بلکہ یہ مختلف رویوں اور تصورات کا مجموعہ ہے۔

"New Historicism is based on parallel reading of literary and non-literary texts of the some historical periods."(18)

نو تاریخیت ایک ادبی نظریہ ہے جو اس خیال پر مبنی ہے کہ متن کی تشریح و تعبیر مصنف اور نقاد دونوں کی تاریخ کے تناظر میں کی جانی چاہیے۔ نو تاریخیت نے خارجی اور داخلی اقدار کی اس خلیج کو بھی اس تصور کے تناظر سے پاٹ دیا ہے کہ ہر منفرد متن اکیلا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ ہر دوسرے متن کے تناظر میں شامل اور اس کا حصہ ہے۔ کیونکہ متن کے حوالے سے صرف حقیقت سے واقف ہو جانا یا صرف سچ جان لینا کافی نہیں ہے۔ سچ کے پسِ پردہ کیا محرکات ہیں اور سچ کے اندر کیا سچائی پوشیدہ ہے اس کا پتہ لگانا بھی بہت ضروری ہے۔ کیا سچائی کے اندر ہے اور کیا سچائی کے باہر ہے؟ اسے ڈسکورس طے کرتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہمارے حق و انصاف کے تقاضے، سماجی معیار اور طور طریقے ڈسکورس سے تشکیل پاتے ہیں اور افراد ان کے سامنے خود کو بے بس پاتے ہیں۔ نئے تاریخی نقاد متون کی تاریخی سیاق و سباق کے حوالے سے اہمیت کے قائل تھے۔ کیونکہ عام طور پر تمام ادبی اصناف مثلاً ڈراما، افسانہ، ناول، شاعری، آرٹ وغیرہ کسی مخصوص وقت، عہد اور جگہ کے حوالے سے تخلیق ہوتے ہیں۔ آرٹ اس مخصوص وقت اور عہد میں اپنے کلچر کی اقدار اور اس کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان اقدار پر تبصرہ اور تنقید بھی کرتا ہے۔ چنانچہ نئے تاریخی نقاد اس حوالے سے دو کام کرتے ہیں۔ ایک تو یہ دیکھتے ہیں کہ کیسے ایک متن اپنے ثقافتی اور تاریخی سیاق و سباق کے حوالے سے اپنے عہد کی درست ترجمانی اور بہترین عکاسی کرتا ہے اور دوسرا وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیسے ایک متن اپنے سیاق و سباق پر تنقید کرتا اور اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتا ہے؟ چنانچہ ایک

پرانی دستاویز صرف اس بات کو ہی ظاہر نہیں کرتی کہ وہ کب لکھی گئی تھی بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اس سال یا اس عہد میں لوگ کیا سوچتے تھے یا اس تحریر کے لکھنے والے کی سوچ کیا تھی؟لوگ کس طرح رہتے تھے؟ان کے معاشی حالات کیا تھے؟ان کے احساسات، جذبات اور محسوسات کیا تھے؟وہ کن حالات کی وجہ سے تخلیق کی گئی؟ وہ کیا عوامل اور محرکات تھے جو اس کی تخلیق کا باعث بنے؟مثال کے طور پر اگر ہم ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''ابن الوقت''کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انگریزوں کے دور میں برِ صغیر کے مسلمانوں کی حالت، خاص کر ایک مخصوص طبقے پر انگریزوں کی تہذیب کے اثرات، لوگوں کا اس حوالے سے ردِ عمل اور اس ساری صورتِ حال میں اس شخص کے احساسات و جذبات کا بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں۔ان کرداروں میں سماجی اور ثقافتی واقعات کا عکس نظر آتا ہے۔نیز یہ علم بھی ہوتا ہے کہ اس معاملے کو مصنف کس نظر سے دیکھتا ہے۔

نیا تاریخی نقاد اس بات کا جائزہ لینے پر زور دیتا ہے کہ ادبی متون کا غیر ادبی متون کے ساتھ تقابل کیا جا سکتا ہے۔آرٹ کا بشریات کے ساتھ، ادب کو عمرانیات کے ساتھ، تاریخ کا سائنس کے ساتھ تعلق کیوں قائم نہیں ہے اور یہ تعلق کیسے قائم کیا جا سکتا ہے۔چنانچہ ہم کہ سکتے ہیں کہ سیاق و سباق کے تناظر میں ادب یا متن کی مکمل تفہیم کی جا سکتی ہے۔نو تاریخیت ایک متاثر کن مکتبہ فکر ہے۔اس مکتبہ فکر نے ادب پر مثبت اثرات مرتب کیے اور ادبی تنقیدی طریقہ کار میں تبدیلی پیدا کی اور ادبی نقاد کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ ادب کا مطالعہ کرتے وقت اس وقت کی سیاسی صورت حال، طبقات، اشرافیہ، عام لوگوں کی حالت، معاشرے میں موجود قوتوں، طاقت اور مختلف مکتبہ فکر اور نظریات کے حامل لوگوں کے نقطہ نظر کا جائزہ لے۔نیا تاریخی نقاد یہ سوال اُٹھاتا ہے کہ ادب کیا ہے؟نو تاریخیت کے حوالے سے ادب، قاری اور ادیب کی از سرِ نو تفہیم کیسے کی جا سکتی ہے؟نو تاریخیت کے حوالے سے ادب کیسے وجود میں آتا ہے؟ نیز ہم ادبی اور غیر ادبی متون میں کیسے فرق کر سکتے ہیں؟

Self Fashioning کی اصطلاح اسٹیفن گرین بلاٹ نے ولیم شیکسپیئر سے مستعار لی اور ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کیسے ولیم شیکسپیئر اور کرسٹوفر مارلو نے اپنے عہد کے سماجی، ثقافتی اور سیاسی کوڈز کے

مطابق اپنے کرداروں کی ایک مخصوص شناخت مقرر کی اور انہیں ایک مخصوص پہچان دی۔ کردار اپنے معاشرے کا عکس ہوتا ہے۔ ان کا اور معاشرے کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کردار معاشرے ہی سے لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم کرداروں کے سوانگ کو دیکھ کر، ان کی بول چال سے بھی اس معاشرے میں ان کی حیثیت اور قدر نیز اس دور میں مروج رسوم و رواج اور روایات کو جان سکتے ہیں۔ نو تاریخیت کے حامی مفکرین نے اس خیال کو فروغ دیا کہ کلچر ایک کتاب کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح ہم ایک کتاب کو کھول کر، پڑھ کر تمام معلومات حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح ہم کلچر کو کھول سکتے ہیں۔ اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے رسم و رواج کو پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے معاشرتی اطوار، معاشی ڈھانچے اور عام رویوں کا مطالعہ ایسے کرتے ہیں جیسے یہ الفاظ یا کوئی پیرا گراف ہے۔ سو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کلچر کیسے کام کرتا ہے۔ بنیادی طور پر کلچر کو ایک متن تصور کیا گیا اور کہا گیا کہ:

> "And literary texts are little texts within this big text that
> is culture Every thing is text."(۱۹)

نو تاریخیت اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ ادب نہ صرف مصنف کے عہد اور حالات سے متاثر ہوتا ہے بلکہ کسی تحریر یا ادب پر نقاد کا ردِ عمل بھی اس کے ماحول، عقائد اور ذہنی رویے کے مطابق ہوتا ہے۔ نو تاریخیت کے حامی ادب کو وسیع پیمانے پر تاریخی سیاق و سباق کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ نیز اس چیز کا مطالعہ بھی کرتے ہیں کہ کیسے کوئی بھی متن مصنف کے عہد کی ترجمانی اور عکاسی کرتا ہے اور کیسے مصنف کا عہد اس کے متن میں جھلکتا نظر آتا ہے۔ اس مطالعے کے نتیجے میں قاری کو متن میں اس عہد کا تہذیبی اور ثقافتی رنگ نظر آتا ہے۔ مثلاً شیکسپیئر کے ڈرامے "Merchant of Venice" کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ڈراما یہ تو ظاہر نہیں کر رہا کہ شیکسپیئر Anti-Semitic ہے؟ نو تاریخیت کے حامی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ محض متن کو پڑھ کر ہاں اور نہیں میں جواب نہیں دینا قطعاً آسان نہیں ہے۔ چنانچہ ہمیں ڈرامے کا مطالعہ اس عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی تناظر میں کرنا پڑے گا۔ ثقافتی تاریخ کو مدِ نظر رکھنا

پڑے گا نیز یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ڈراما کس سیاق وسباق میں تحریر کیا گیا تھا۔ نئے تاریخی داشوروں کے مطابق طاقت کے پھیلاؤ اور اس کے استعمال اور سماجی طبقے کی حدود کا جائزہ لیتے ہوئے ہم متن کی حقیقت کے بارے میں پتا چلا سکتے ہیں۔

> "Studying the history reveals more about the text; studying the text reveals more about the history".[۲۰]

نو تاریخی نقاد اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ثقافت اور ماحول کے حوالے سے متن کا تجزیہ کافی تکلیف دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر یہ سوال اُٹھایا جائے کہ شیکسپیئر Anti-Semitic تھا۔ یہ سوال ایک صدی پہلے تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر موجودہ دور میں اس سوال کی ایک اہمیت ہے۔ یہ سوال بتاتا ہے کہ کسی شخصیت کے حوالے سے تہذیب کیسے مطالعہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ادب اپنے عہد کی روایات اور ثقافت کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔ ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے کہ متن اپنے عہد کے معاشرتی، سیاسی، معاشی اور سماجی پہلوؤں کی نمائندگی کر رہا ہے یا نہیں۔ ولیم شیکسپئیر کا ناول رومیو اور جیولٹ محبت کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ Gabriel Garcia Marquez's کا ناول "One Hundred Years of Solitude" لاطینی امریکی کی تاریخ کی نمایندگی کرتا ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر اشرف کمال اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مابعد نو آبادیاتی ادب کے حوالے سے جب بھی ادب کا مطالعہ کیا جائے گا تو ضروری ہے کہ کسی نو آبادیاتی عہد کی بات ہو گی اور اس مطالعہ کے لیے لازمی طور پر ہمیں تاریخ اور ماضی میں جھانکنا ہو گا اور اس عہد کے حالات وواقعات سے آگاہی حاصل کرنا ہو گی۔ اسی طرح مابعد جدیدیت جب آفاقیت اور ہمہ گیری کے نو آبادیاتی رویے سے انحراف کرتی ہے تو اس کی مراجعت تہذیب اور ثقافت کے حوالے سے بھی ماضی کی طرف ہو گی۔ اس لیے حوالہ خواہ تلمیح کا ہو، اپنی زمین سے وابستگی کا یا کہاوتوں اور دیومالائی قصوں کا ان سب کو ماضی کی طرف مراجعت کا نام دینا ہی مناسب ہو گا۔ ابوالکلام قاسمی، اختر الایمان کی ایک نظم کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پھولوں کی خوشبو سے کیا کیا یاد آتا ہے۔ چوک میں جس دن پھول پڑے سڑتے تھے۔ خونی

دروازوں پر شہزادوں کو پھانسی کا اعلان ہوا تھا۔ یہ دنیا لمحہ لمحہ جیتی ہے۔ دلی کی گلیاں ویسی ہی آباد شاد ہیں سب۔ جب نسخہ کھلتا ہے۔ ۱۸۵۷ء جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء آجاتا ہے۔ اس متن میں تاریخیت کا کارفرمائی واضح نظر آرہی ہے مگر یہ صرف تاریخ نہیں ہے بلکہ بہت اہم ثقافتی اور سماجی متن ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نو تاریخیت کے رویوں سے ادب اور تاریخ و ثقافت کے رشتوں کی نئی گرہیں کھل گئیں اور ادبی مطالعات کا ایک طور ہاتھ آیا۔ نو تاریخی نقاد اس بات کو دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ کوئی بھی متن سماج کے اندر مختلف تبدیلیوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس سماجی بہاؤ کو ایک اور نقطہ نظر فراہم کرتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے اس لکھت یا متن کا اس سماج کے اندر ایک معتبر نام ہونا اس کی کامیابی میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور اسی سے سماج میں اس کی قدر و قیمت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ نئی تاریخیت ادبی تنقید کے عدم استحکام پر زور دیتی ہے۔ موجودہ ادبی تنقید کسی عہد کے عقائد سے اسی طرح متاثر ہوتی اور ان کو ظاہر کرتی ہے جس طرح ادب یا متن متاثر ہوتا اور اسے بیان کرتا ہے۔ نو تاریخیت اس خیال کی حامی ہے کہ وقت میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ عظیم ادب کے تفہم میں بھی تبدیلی آئے گی۔ ہم شاہکار ادب کو سمجھ لیں گے۔ ہماری سمجھ بُوجھ میں اضافہ ہو گا۔

نو تاریخیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''ادبی تفہیم اور تنقید کے حوالے سے مغرب میں جو تازہ رجحان اپنی پہچان بنا رہا ہے وہ ہے نو تاریخیت۔ جس نے ہیئت پرستی اور جدیدیت کے بے معنی رویوں پر خطِ تنسیخ کے ساتھ ساتھ ساختیات اور ردِ تشکیل کے بعض اساسی پہلوؤں کو بھی کڑی تنقید کا ہدف بنایا۔''(۲۱)

گرین بلاٹ اور اس کے رفقا نے مختلف متون کے آپس میں باہمی تعلق پر زور دیا۔ انہوں نے پہلے سے موجود ان نظریات کے خلاف ردِ عمل ظاہر کیا۔ ان سے پہلے متن کو اس کے تاریخی تناظر سے الگ کر کے

صرف صفحات پر الفاظ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا۔ انہوں نے بحث کی کہ متن کو اس کے دور اور عہد سے بالاتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وضاحت اس کے دور کے حوالے کی جانی نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات سے ماخوذ ہے۔ اس تحریک نے "Return to history" پر زور دیا۔ نیز یہ بتایا کہ تاریخ، نظریات، سماجی اور ثقافتی تنظیم باہم مل کر متن کی تخلیق پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نئے تاریخی ناقد کے مطابق ادبی متون سمیت تمام متون بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر تاریخی، سماجی، سیاسی اور تہذیبی فکر سے مربوط ہیں۔ چاہے یہ خدشات واضح طور پر زیرِ بحث لائے جائیں یا نہ لائے جائیں۔ نو تاریخیت میں یہ تصور بھی پیش کیا گیا کہ تاریخ ہمیشہ ایک تحریر اور تفسیر کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ہمیشہ متنی صورت میں ایک داستان کی شکل میں ہم تک پہنچتی ہے۔ لہٰذا یہ ایک شفاف عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ مشق مؤرخ کی موضوعیت تک محدود ہے۔ مؤرخ اپنے سماجی اور ثقافتی تناظر میں جانبداری اور تعصب کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور یہ ساری چیزیں اس کی تحریر کی صورت میں، جو کہ تاریخ کی صورت میں محفوظ ہو رہی ہے، محفوظ ہو جائیں گی۔ اگر تاریخ یا کوئی واقعہ لکھنے میں تعصب اور جانب داری کا مظاہرہ کیا گیا ہے تو اس کی قدر صفر ہو جائے گی۔

نو تاریخیت کے نقادوں کے مطابق ہم تک پہنچنے والی تاریخ حتمی نہیں ہے۔ جیسا کہ روایتی مؤرخ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بلکہ ماضی کے متن کی نئے سرے سے تشریح اور تعبیر کی جا سکتی ہے۔ نو تاریخیت اس طریقے کو مساوی اہمیت دیتی ہے جس میں ادب اور تاریخی متون، سماجی اور سیاسی طاقت کے بارے میں بحث کر سکیں۔ ناقدین مصنف کی زندگی کی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں مثلاً روایتی تاریخی ذرائع جیسے اخبار، رپورٹ، خطوط، اشتہارات اور دیگر غیر واضح ذرائع۔ اسی طرح مختلف متون کی جانچ پرکھ اور تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ مختلف متون کے تجزیے سے قاری اس قابل ہو جاتے ہیں کہ معاشرے میں وسیع پیمانے پر کام کرنے والی قوت کے ثبوت تلاش کر سکیں۔ ممکنہ نمونوں کی شناخت کے بعد متن میں کام کرنے والے نیٹ ورک کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کو جان سکتے ہیں کہ معاشرے میں کون کون سی قوتیں اور تحریکیں موجود تھیں جس سے

معاشرے کے افراد، معاشرہ اور ادیب متاثر ہوئے۔ نیز گرین بلاٹ ان "Social Energies" کی شناخت کی اجازت دیتا اور ان کی شناخت پر زور دیتا ہے، جن کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ مختلف متن میں Encode ہوئی ہیں تاکہ متن کی درست انداز میں تشریح اور تعبیر کی جاسکے۔

مسئلہ یہ ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ادب اپنے ماحول، اپنی معاشرت اور اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے تو کیا ایک عہد کا ادب اس کے بعد آنے والے دور کا ترجمان ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ ہر دور کے ادب میں ایک عصری روح ہوتی ہے جو کہ فن پاروں میں جاری و ساری ہوتی ہے۔ یا دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ادب صرف یک زمانی ہوتا ہے کہ دور گزرنے کے بعد اس ادب کی وہ افادیت برقرار نہیں رہتی جو کہ اسے اپنے دور میں حاصل تھی یا حاصل ہونی چاہیے تھی۔ ادب کا تعلق جہاں داخلی اور خارجی معاملات سے ہے وہاں تاریخی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ چاہے ادب ہو، چاہے فن ہو یا چاہے زبان ہو سب تاریخ کے مسلسل عمل اور سرگرمی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ہم تاریخ سے ایسا سبق سیکھتے ہیں کہ ہماری زندگی کا پورا دھارا ہی بدل جاتا ہے۔

ژاں پال سارتر لکھتے ہیں:

> "یہ ہے سچا اور خالص ادب، داخلیت جو ایک طرح کی خارجیت کے جلو میں آئے ، تقریر ایک ایسے عجیب انداز سے مرتب ہو کہ اس پر خاموشی کا شبہ ہو، خیال جو اپنے آپ پر حیران ہو، عقل جو جنوں کا لبادہ، ابد جو یوں معلوم ہو کہ تاریخ کا ایک لمحہ ہے، تاریخ کا ایک لمحہ جو اپنی راہوں سے انسان کو ابد کی طرف موڑ دے۔"(۲۲)

نو تاریخیت ادب کے فنی اور جمالیاتی پہلوؤں پر اعتراض کیے بغیر اس کا مطالعہ تاریخ کے وسیع تناظر میں کرنے اور ادب میں تاریخ کے علاوہ معاشرت، ثقافت اور سماج کی اہمیت پر بھی زور دیتی ہے۔ اسٹیفن گرین بلاٹ کے مطابق نو تاریخیت نہ تو کبھی تھیوری تھی اور نہ ہی اسے تھیوری بنانا چاہیے بلکہ یہ صرف قرات

کی ایک صورت ہے۔ نو تاریخیت ادب کے خود مختار ہونے کی تصور کو رد کرتی ہے۔ کیونکہ ادب کا تعلق اپنے معاشرے، سماج اور کلچر کے ساتھ ہوتا ہے۔ سماج، معاشرے اور کلچر سے تحریک حاصل کر کے ایک مصنف اپنے خیالات قلم بند کرتا ہے۔ چنانچہ نو تاریخیت یہ سوال اُٹھاتی ہے کہ ادب خود مختار کیسے ہو سکتا ہے؟ ادب میں سیاسی اور سماجی حوالے سے کیا گیا احتجاج نو تاریخیت ہی سامنے لے کر آتی ہے۔ نو تاریخیت کسی بھی واقعے کے پسِ منظر میں موجود محرکات اور حقائق سامنے لانے پر زور دیتی ہے۔ کسی واقعے کی تفہیم اس واقعے کے پسِ پردہ موجود عوامل کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ تاکہ اصل حقائق سب کے سامنے آسکیں۔

نو تاریخیت ماضی میں رونما ہوے والے واقعات کے حوالے سے درست معلومات کے ساتھ ساتھ زندگی، ثقافت اور معاشرت نیز اس عہد کے مروجہ رویوں کی وضاحت بھی طلب کرتی ہے۔ نو تاریخیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ تاریخ ماضی کے واقعات کا مجموعہ نہیں ہے کیونکہ ماضی کبھی بھی طور اپنی خالص صورت میں اپنے بعد آنے والوں کو نہیں مل سکتا۔ ماضی ہمیشہ کسی نہ کسی بیان کی صورت میں ملتا ہے۔ یعنی تاریخ متن ہے واقعہ نہیں ہے۔ متن میں ثقافتی عمل کے حساب سے واقعات کا ترتیب وار تسلسل دیکھا جاتا ہے۔ ادب، تاریخ، ثقافت اور معاشرے کی فطرت کے متعلق سوالات کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا تعلق انسانی سرگرمیوں سے ہے کیونکہ انسانی سرگرمیاں ہی واقعات کی تخلیق کا سبب بنتی ہیں اور یہی واقعات متن کی تشکیل میں اہم محرک ثابت ہوتے ہیں۔ ادب کو انفرادی تخلیق نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے پیچھے بہت سے محرکات ہوتے ہیں جو مصنف کی نفسیات اور خیالات پر اثر انداز ہو کر اسے تحریر کرنے پر اُکساتے ہیں۔ اسی طرح ناقدین اور سماج کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ناقدین جس سماج کا حصہ ہوتے ہیں اس کا اثر قبول کرتے ہیں۔ ناقدین اور متن ایک دوسرے پر اور سماج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ متن ایک معاشرتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جو تاریخی حالات و واقعات پر ردِ عمل ظاہر کرتا ہے۔ متن میں سماجی تاریخی عناصر کا اظہار ہوتا ہے۔ نو تاریخیت داخلی اور خارجی دونوں عناصر اور اقدار کو سامنے رکھ کر متن کے مطالعے پر زور دیتی ہے۔ نو تاریخیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ کلچر کوئی وحدانی نظام نہیں بلکہ مختلف رویوں

اور تصورات کے حاصل ضرب کا نتیجہ ہے۔ ادبی متون کے معنی ہر زمانے کے لیے ایک سے نہیں ہوتے۔ کبھی ان کا ایک اور کبھی دوسرا پہلو پرکھا جاتا ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے کلچر اور ان کے نشانات کی تعبیریں مخصوص حالات کے تحت بدلتی رہتی ہیں۔ سماجی تناظر میں، ادیب کی زندگی، معاشرتی اقدار اور تاریخی صورتِ حال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

نو تاریخیت کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ کسی بھی دور کے ادب کو سمجھنے کے لیے اس دور کے تہذیبی اور ثقافتی اقدار اور رسم و رواج کو سمجھنا اور مختلف ادوار کے تناظر میں ادب کا مطالعہ اور تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو متروک ہو چکے ہیں یا جن کے معانی سیاق و سباق کے حوالے سے اب وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ نو تاریخیت کے تناظر میں ادب کا مطالعہ ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نو تاریخیت تاریخ کے آئینے میں ادب کی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے۔ نو تاریخت نے فارملزم یا ساختیات کے برعکس جہاں دوسرے ادبی معیار جانچنے کے طریقوں سے انکار نہیں کیا وہاں اس نے تاریخ کو بنیادی اور اساسی اہمیت دی۔

حوالہ جات

۱۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰

۲۔ http://www.youtube.com/watch، بوقت 5 بجے، مارچ ۲۰۱۹ء، ص ۱۹

۳۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰

۴۔ مظہر عباس ڈاکٹر، عورت اور زاہد حنا، بحوالہ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۳

۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جدیدیت کے بعد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۰

۶۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری اور اصلاحات، مثال پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۳۵

۷۔ نصیر احمد ناصر، تاریخ جمالیات، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۳۶ء، ص ۲۶۹

۸۔ یوسف حسین خان، فرانسیسی ادب علی گڑھ، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۲ء، ص ۴۰۱

۹۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جدیدیت کے بعد، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۲

۱۰۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری اور اصلاحات، مثال پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۳۶

۱۱۔ Original text:https://en.wikipedia.org/wiki/Jonathan-Dollimore

۱۲۔ ایڈورڈ سعید، ثقافت اور سامراج، مترجم یاسر جواد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۷۴

۱۳۔ قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، جلد دوم، مکتبہ دریافت، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳-۱۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۵۷

۱۵۔ H. Aram Veeser, the New Historicism, Rouledge, London and NewYork 1989, p11

۱۶۔ H. Aram Veeser, the New Historicism, Rouledge, London and NewYork 1989, p11

۱۷۔ H. Aram Veeser, the New Historicism, Rouledge, London and NewYork 1989, p13

۱۸۔ blogs.bcu.ac.uk/virtualtheorist/new-historicism

۱۹۔ https://www.shmoop.com/new-historicism/

۲۰۔ https://www.cliffsnotes.com/cliffsnotes/subjects/literature/what-is-new-historicism

۲۱۔ قمر رئیس، حرفِ اول میں، مشمولہ، برِ صغیر میں اردو ناول، اردو مجلس، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۱۲

۲۲۔ ژاں پال سارتر، ادب کیا ہے؟، مترجم، لئیق باری، مشمولہ، نئی تنقید از صدیق کلیم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۲۵۷

باب دوم:

زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا موضوعاتی مطالعہ

کسی بھی ادب کی تخلیق کے لئے موضوع کا استعمال نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ موضوع کی مثال ان ستونوں کی سی ہے جو عمارت کو پائیدار اور مضبوط بناتے ہیں اسی طرح موضوع بھی ادب کی تخلیق میں ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ موضوع کے بغیر کسی بھی ادب کی تخلیق بے مقصد ہوتی ہے۔ اسی طرح افسانے میں بھی موضوع کی اہمیت اسی طرح اہم ہے جس طرح باقی اصناف میں موضوع کو اہمیت حاصل ہے۔ ایک تخلیق کار جس سوچ، مقصد، فکر یا خیال کے مطابق افسانہ تخلیق کرتا ہے وہ اس افسانے کی بنیاد کسی موضوع پر رکھتا ہے۔ ایک تخلیق کار اپنے ماحول میں موجود حالت کو موضوع بناتا ہے جس طرح انسانی زندگی میں وسعت اور پھیلاؤ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح افسانے کے موضوعات میں بھی وسعت اور پھیلاؤ پایا جاتا ہے۔ تاریخ ادب سے الگ نہیں کچھ بھی لکھا جاتا ہے وہ تاریخ کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح تاریخ اور تاریخی واقعہ بھی ادب کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔ زاہدہ حنا نے بھی اپنے افسانوں میں تاریخی حوالوں کو نو تاریخیت کے زمرے میں موضوع بنایا۔ انہوں نے موجودہ حالات کو ماضی کے حالات و واقعات کے ذریعے سے بیان کیا۔ اور کہیں انہوں نے ماضی کے حالات کو موجودہ حالات سے تشبیہ دی۔ زاہدہ حنا جب افسانہ لکھتی ہیں تو وہ کسی خاص ملک یا جغرافیائی حدود کی پابندی نہیں کرتیں۔ دنیا میں کہیں بھی جنگ ہو یا انسانیت کو مختلف حیلے بہانوں سے پامال کیا جا رہا ہو۔ وہ ایک تخلیق کار کی طرح ان موضوع کو افسانے میں پیش کرتی ہیں۔ چاہے وہ ناگاساکی اور ہیروشیما میں جنگ ہو یا عراق کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہو۔ افغانستان کے حالات ہوں یا برما میں خون ریزی ہو یا بنگلہ دیش میں دوسروں کی لگائی گئی آگ ہو۔ یہ سب حالات دنیا کے مختلف ملکوں میں ماضی کے حالات کو مستقبل کے حالات کے ذریعے سے بیان کرتی ہیں۔ اس حوالے سے آسیہ نازلی لکھتی ہیں۔

> ”وہ انسان دوستی“ ہے جو کسی مخصوص خطے یا نسل سے وابستہ نہیں بلکہ دنیا میں جہاں کہیں بھی نسل انسانی کو تہہ و تیغ کرنے کے منصوبے تیار کئے گئے۔ جس جس جگہ پر انسانیت کو مختلف حیلے بہانوں سے پامال کیا جا رہا ہے۔ اسے ایک سچے تخلیق کار کی طرح زاہدہ حنا نے انہیں اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔“ (۱)

زاہدہ حنا وقت گزارنے کے لئے کہانی نہیں لکھتی بلکہ اپنی کہانیوں میں ایسے واقعات اور موضوعات پیش کرتی ہیں۔ جو پڑھنے والے کو سوچ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ زاہدہ حنا جو بھی لکھتی ہیں واضح سوچ و فکر کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا تاریخ کا شعور رکھتی ہیں۔ حقیقت میں وہ موجودہ دور میں تاریخ کا سفر کرتی ہیں۔ ان کے ہاں ماضی سے حال کا سفر اور حال سے حقیقت تک کا سفر موجود ہے۔ ان کے افسانے تاریخی واقعات اور مقامات سے بھرے پڑے ہیں۔ ادیب معاشرے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ وہ معاشرہ کا ایک اہم رکن ہوتا ہے۔ جو اپنے دور میں پیش آنے والے واقعہ کو صحیح طور پر دوسروں تک پہنچائے وہ اپنے اردگرد ہونے والے واقعات چاہے وہ سیاسی، معاشی، مذہبی یا نفسیاتی نوعیت کے ہوں۔ اپنی تحریروں میں ایسے پیش کرے کہ پڑھنے والے اس سے سیکھ سکے۔ اسی لئے زاہدہ حنا نے بھی اپنے افسانوں میں مختلف موضوعات کے ذریعے مستقبل کو سنوارے اور حال کو بہتر بنایا جائے۔

الف۔ سماجی موضوعات:

سماجی موضوعات سے مراد سماج میں رونما ہونے والے وہ عوامل ہیں جو کسی نہ کسی طور پر سماج کو متاثر کرتے ہیں۔ سماج افراد سے مل کر بنتا ہے اور افراد کے لئے سماج بہت اہمیت کا حامل ہے۔ سماج کے بغیر انسان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ انسان سماج کو اور سماج انسان کو متاثر کرتا ہے۔ جیسے جیسے انسان وقت و حالات کے تحت بدلتا ہے۔ شعور کی آگاہی انسان کو ترقی کی منزل کی جانب گامزن کرتی ہے۔ ویسے ہی سماج میں بھی تبدیلیاں مرتب ہوتی ہیں۔ لفظ سماج ہندی زبان سے نکلا ہے جس کے معنی "معاشرہ" کے ہیں۔ عام طور پر لفظ سماج کے لئے انگریزی زبان میں "سوسائٹی" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معاشرہ خود وجود میں نہیں آتا بلکہ انسانی ضروریات کے تحت عمل میں آتا ہے۔ سماج کی تبدیلی کے لئے اگر کوئی چیز لازم ہے تو وہ عوام کے اندر شعوری اور نظریاتی بیداری ہے جو معاشرے کو مثبت رخ عطا کرتی ہے۔ ادب کا سماج کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے ادبی رویوں کی بنیاد سماجی رویوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ تخلیق کار اپنے معاشرے سے الگ رہ کر ادب تخلیق نہیں کرتا اس کے تخلیق کردہ ادب پر معاشرے کے اثرات مرتب ہوئے ہیں مصنفہ زاہدہ حنا بھی اپنے افسانوں میں اپنے معاشرے کی اور ماضی کے حالات و واقعات کے پیش نظر اس عہد میں سماج کو نو تاریخیت کے تناظر میں پیش کرتی ہیں۔ مصنفہ نے معاشرتی زوال کو انسان کی موجودہ صورت حال سے نکال کر ماضی کی تلاش اور پھر حال کو سنوارنے کی پیش قدمی کی ہے۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں سماج:

ادب کو سماج اور سماج کو ادب سے پہچانا جاتا ہے ہر دور کے سماجی رویے مختلف ہوتے ہیں۔ جو کسی نہ کسی طور ادب پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ جس کا جائزہ ادیب باریک بینی سے مشاہدے کے بعد اپنے فن پارے میں موضوع بحث لاتا ہے۔ اسی طرح زاہدہ حنا نے بھی مختلف ملکوں کے سماج کو نو تاریخیت کے زمرے میں بیان کیا ہے۔ جیسے افغانستان، بنگلہ دیش، بغداد، ہندوستان، پاکستان وغیرہ کے سماجی رویوں کو تاریخی حوالے سے بیان کیا ہے۔ ''پانیوں پر بہتی پناہ'' ایک نسوانی کردار پر مشتمل تاریخی افسانہ ہے۔ جو نڈر اور بے خوف مگر وقت کے ساتھ ساتھ اپنے سائے سے بھی ڈراتی ہے۔ جو سماج کی بے رحمی اور تلخی کی وجہ سے چھپنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس کو اپنے ارد گرد موجود ہر چیز سے خوف آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ''کندن حسین'' جو ایک لکھاری ہے۔ جس کی کتابوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر اپنے ملک میں اس کی کتابوں کو جلایا جاتا ہے۔ بقول زاہدہ حنا:

> ''جس کا نام سوئیڈن سے انگلینڈ تک چھپتا ہے۔ جس کی کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر ساری دنیا میں بک رہی ہیں۔ اپنے دیش میں جس کی کتابیں جلائی جا رہی ہیں۔ جس کے سر کی قیمت دو لاکھ ٹکا ہے اور جو اپنے خون کے پیاسوں سے چھپتی پھر رہی ہے۔''(۲)

زاہدہ حنا نے اس افسانے میں تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ سماج کی تصور کشی کی ہے ان کے نزدیک ہر دور میں عورتون کے ساتھ اس طرح کا سلوک برتا گیا۔ زمانہ قدیم میں دیکھا جائے تو عورتوں کو اپنے نام سے لکھنا دشوار تھا ان کا یہ قصور تھا کہ وہ سماج میں موجود برائیوں کو اسی طرح لکھ دیتی تھیں۔ جس طرح کے سماج میں وہ برائی موجود ہوتی۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا اپنے افسانے میں لکھتی ہیں۔

"اس سے پہلے کتنی ہی عورتیں گزرے ہوئے چند برسوں میں پتھر برسا کر اور کوڑے مار کر ہلاک کی گئی تھیں کیونکہ وہ محکوم و بے بس تھیں اور خود اس کا جرم اپنے سماج کے بارے میں وہ سب کچھ لکھ دینا تھا جو اب تک نہیں لکھا گیا تھا۔۔۔۔۔۔"(۳)

"معدوم ابن معدوم" میں زاہدہ حنا ایک ایسی سماجی حقیقت کو سامنے لاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جو ۱۹۹۴ء کے دور میں سماج میں موجود تھی اور موجودہ دور میں سماج کا حصہ ہے انہوں نے "علی اکبر" کے کردار کے ذریعے سے ۱۹۹۴ء کے سماجی برائی کو سامنے لایا۔ "علی اکبر" جو لندن اسکول آف اکنامکس سے ایم ایس کا امتحان دے کر کراچی اپنے گھر والوں کے پاس آتا ہے اور اسے کراچی شہر میں پہنچتے ہی قتل کر دیا جاتا ہے اور پولیس کا یہ کہنا ہے کہ "را" سے اس کے روابط تھے۔ بغیر کسی ثبوت کے اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ بقول زاہدہ حنا:

"نیوز کاسٹر بتا رہی تھی کہ گھر والوں کے بیان کے مطابق علی اکبر دو لاکھ روپے بنک میں جمع کرانے نکلا تھا جبکہ پولیس کا کہنا تھا کہ وہ لندن سے آیا تھا "را" سے اس کے روابط تھے۔ اسے رکنے کا اشارہ کیا گیا تو گاڑی روکنے کی بجائے اس نے فائر کھول دیا اور پولیس کی جوابی فائرنگ سے ہلاک ہو گیا۔"(۴)

زاہدہ حنا کے نزدیک موجودہ دور میں ایسے ہی حالات موجود ہیں۔ پولیس کی لاپرواہی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اپنے جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اور بعد میں پولیس اس معاملے کو کسی نہ کسی واقع سے ملا دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کا تعلق طالبان سے ہے۔ موجودہ حالات پر نظر ثانی کریں تو سانحہ ساہیوال جیتی جاگتی مثال موجود ہے۔ زاہدہ حنا اپنے افسانے "ذرد ہوائیں، ذرد آوازیں" میں معاشرے میں موجود رسم و رواج توہمات کی طرف اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کہانی کو پڑھتے ہوئے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زاہدہ حنا کہانی کا آغاز کر کے اسے مختلف موڑ دیتی ہوئی اس کو اختتام پر پہنچاتے ہوئے مختلف توہمات کا ذکر کیا ہے۔ ریل جب گڑھ مکٹیشر کے پل سے گزرنے لگی لوگ گنگا میا میں سکے اچھال رہے ہوئے ہیں۔ اپنی

آرزوئیں، مرادیں پوری کروانے کے لئے وہ سمندر میں سکے نذر کرتے ہیں تاکہ ان کی آرزوئیں، مرادیں پوری ہوسکے۔بقول زاہدہ حنا:

"ریل گڑھ مکٹیشر کے پل سے گزرنے والی ہے لوگ اٹھنیاں، چونیاں، اور دونیاں ہاتھوں میں دبائے بیٹھے ہیں۔ ابھی ریل شور مچاتی ہوئی گڑھ مکٹیشر کے پل پر چڑھے گی تب بہت سے ہاتھ کھڑکیوں سے باہر نکلیں گے اور اپنی آرزوؤں اور مرادوں کو ان سکوں سے متعلق کر کے گنگا میا میں پھینک دیں گے۔ گنگا جی ہماری نذر لو اور ہمیں بامراد کرو"۔(۵)

زاہدہ حنا اس افسانے میں اس بات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ وقت کس قدر ترقی کر جاتے ہیں زمانے کتنے ہی بدل جاتے ہیں مگر انسان کی سوچ، رسم و رواج میں تبدیلی یا تو مشکل سے آتی ہے یہ پھر رسم و رواج مزید گھر کر جاتے ہیں۔بقول آسیہ نازلی:

"اس سے یہ بات بھی ابھر کر سامنے آتی ہے کہ سائنس کے اس اجالے میں بھی انسان خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، صدیوں کے اویام کے بت کو دل و دماغ سے نہیں نکال سکا ہے اور اس کے طلب کے طور طریق بھی ایک سے ہیں اور مطلوب تک رسائی کے راستے بھی ایک سے۔"(۶)

زاہدہ حنا اپنے افسانے "منزل ہے کہاں تیری۔۔۔۔۔" میں مغلیہ دور کی تاریخ کو موجودہ دور سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس افسانے میں عورتوں کی عزت و آبرو کی بات کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک عورت مسلمان ہو یا ہندو اس کی عزت و آبرو ہر طرح سے اہمیت کی حامل ہے۔ مغلیہ دور ایک ایسا دور تھا۔ جو شعر و ادب پر چھایا ہوا ہے۔ اکبر کا دور ایسا دور ہے جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس نے سو سال سے زیادہ عرصے تک حکومت کی مسلمانوں کا برصغیر میں عروج کا دور مغلیہ سلطنت کا تھا۔ جس میں بہت سے بادشاہ آئے اور چلے گئے جس میں ہر بادشاہ نے حکومت کرتے ہوئے تاریخ میں اپنا نام پیدا کیا۔ اسی طرح زاہدہ حنا

نے بھی اس دور کا ذکر کرتی چلی جاتی ہیں۔ انہوں نے مکمل مغلیہ سلطنت کو بیان نہیں کیا بلکہ تاریخ کا ایک دور بیان کرتے ہوئے افسانے کو اس دور کی تاریخ میں لے جاتی ہیں۔ انہوں نے اکبر کے بیٹے سلیم کے کردار کو تاریخی حوالے سے پیش کیا ہے کہ اس دور میں سلیم نے انار کلی سے بے وفائی کی تھی۔ مگر آج کے دور میں بھی عورت کی عزت و آبرو سلیم سے محفوظ نہیں ہے۔ وہ سلیم جیسے خود غرض لوگوں سے چھپنا ہی پسند کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا اپنے افسانے میں لکھتی ہیں:

"ایک بات یاد رکھنا، بادشاہ اکبر کا بیٹا ہی نہیں ہر عہد کا سلیم منافق اور خود غرض ہوا ہے
اور اس کی خود غرضی کی قیمت ہر زمانے کی انار کلی نے چکائی ہے"۔(۸)

زاہدہ حنا نے "یہ ہر سو رقص بسمل بود" میں سقراط کے زمانے کو موجودہ دور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک معاشرے میں کسی کو مار دینا یہ کسی کی جان لینا اب بہت آسان ہو گیا ہے۔ زمانہ قدیم میں زہر کے ذریعے سے قتل کیا جاتا تھا۔ مگر اب جہاں زمانے نے اتنی ترقی کی وہاں قتل کرنے کے طریقے بھی نئے ایجاد کئے گئے زمانہ قدیم سے زیادہ موجودہ دور میں قتل و غارت عام ہو گیا ہے۔ زاہدہ حنا اپنے افسانے میں لکھتی ہیں:

"یہ سقراط کا زمانہ نہیں ہے جب زہر پلایا جاتا تھا۔ اب ٹی ٹی یا ماؤزر سے اڑایا جاتا ہے۔
یوزی گن سے جلایا جاتا ہے۔ اور یہ جو آپ بہائیوں، ذکریوں، احمدیوں، عیسائیوں اور
سکھوں کے غم میں نڈھال ہیں تو کبھی اپنے شہر کے مقتولین کا مرتبہ بھی لکھیں۔"(۹)

زاہدہ حنا افسانے کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ ہمیں دوسرے مذاہب کا غم کرنا چھوڑ کر اپنے شہر میں جو بے پناہ قتل و غارت عام ہو گیا ہے۔ پاکستان سمیت پوری دنیا میں یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے دہشت گردوں اور انتہا پسند قاتلوں کی اکثریت ہے جس کی وجہ سے ہر گھر میں ماتم عام ہو گیا ہے یہاں ہر ایک عام انسان کے لئے زندگی گزارنا اور اگلی نسلوں کی بقاء کے لئے بہتر مستقبل کا سوچنا ناممکن ہے۔ ہمین ایک دوسرے کی جانوں کے بارے میں اور مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ تاکہ ہماری آنے والی نسلیں محفوظ و خوشگوار زندگی بسر کر سکے۔ افسانہ "زمین آگ کی آسمان آگ کا"، "شاہ بانو کیس" کے کردار کے

ذریعے عورت کے حقوق کے بارے میں تاریخ پیش کی ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار شہنشاہ بانو ہے جو اپنے نام کی طرح سسرال میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے چاہتی ہے۔ مگر ایسا ممکن نہ تھا وہ پڑھی لکھی عورت ہے مگر جب سسرال میں پہلی مرتبہ اس کے مجازی خدا" دلارے میاں" نے کتاب دیکھی تو پھاڑ دی اور سب کتابوں کو جلا دیا اور شہنشاہ بانو سے کہا جاتا ہے کہ اگر آج کے بعد کوئی بھی پڑھنے لکھنے والی چیز دیکھی تو ان کی انگلیاں کو کاٹ دیا جائے گا۔ بقول زاہدہ حنا:

"آج کے بعد ان ہاتھوں میں کوئی چھپا ہوا ورق نظر آیا' کسی کاغذ پر انگلیاں لکھتی دکھائی دیں تو قسم ہے۔ رب ذوالجلال کی انہیں کچل کر رکھ دوں گا اور پھر تمہارے باوا کو پارسل کر دوں گا۔"(۱۰)

زاہدہ حنا نے یہ کہانی ہندوستان کی "شہر بانو" کے سچے واقعے سے متاثر ہو کر بیان کی ہے۔ انہوں نے ایک عورت کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر محسوس کیا اور یہ بتایا کہ یہ برصغیر کی ہر عورت کی کہانی ہے جو اپنے فیصلے اور اپنے حق پر بات کرنے سے قاصر ہے انہوں نے مردوں کی سوچ کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھتی ہیں۔

"انہیں یقین ہو گیا کہ عورتوں کی نجات کا کوئی نسخہ آسمان سے زمین پر نہیں اتارا گیا ہے۔ تمام کتابیں، تمام تحریریں، تمام اقوال اس لئے ہیں کہ مردوں کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ وہ دنیا میں ہی عورتوں کو کس طور جہنم کے ساتویں طبقے میں رکھ سکتے ہیں۔"(۱۱)

زاہدہ حنا اس بات کو پیغام کے طور پر پیش کرتی ہیں کہ عورتوں کو اپنے حق کے لئے خود آواز بلند کرنی ہو گی۔ اگر عورت اسی طرح معاشرے میں موجود ناانصافی پر ہتھیار ڈال دے گی تو وہ قبول کرے کہ وہ مرد کے پاؤں کی جوتی ہے۔ دوسرے درجے کی مخلوق ہے پھر اس کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا۔ ان کے نزدیک ظلم کے خلاف وقت پر آواز اٹھانی چاہیے۔ پہلا قدم خود اکیلے اٹھایا جاتا پھر تب دوسرے قدم سے قدم ملاتے ہیں۔ ورنہ کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔ زاہدہ حنا معاشرے میں موجود ایک ایک برائی کو بیان کیا گیا ہے۔ "آنکھوں کو

رکو کھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی" میں زویا زیٹوف رقاصہ کے ذریعے اس جیسی اوروں کے بارے میں بیان کرتی ہے۔ جب ہمارے شہر میں بھری ہوئی جیبوں والے لوگ آتے ہیں تو وہ عورتوں کی نیلامی کا آغاز کرتے ہیں۔ ہمارے غرور کا ہماری عزتوں کو نیلام کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری جسم و روح کی نیلامی کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ان حکمرانوں کو بہت ہی شریف تصور کرتے ہیں حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جب یہ آتے ہیں۔ تو ان کے لئے عیاشی کا بازار بن جاتا ہے۔

اس حوالے سے زاہدہ منا لیتی ہے۔

"جیب بھرے جہاں مردوں کے جھنڈ ہمارے شہروں میں اترتے ہیں۔ نیلامی آغاز ہوتی ہے۔ ہمارے نخوتوں کا ہماری عصمتوں کا، ایک غلیظ بوسہ، ایک وقت کا کھانا ایک رات کے عوض اسکاچ کی بوتلیں اور ہماری کنواریوں کے بدن، کل تک جو ہمارے طلبگار، آج ہمارے خریدار ہم تماشا ساری دنیا تماشائی بالشوئی بال۔"(۱۲)

زاہدہ حنا ایک ملک کا دوسرے ملک پر حملہ کرنا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ جو سلوک رکھا جاتا ہے اور ان کو کن کن تکلیف کا سامنا ہوتا ہے وہ اپنے افسانے "کم کم بہت آرام سے ہے" میں بیان کیا ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے افغانستان پر امریکہ کی طرف سے جو تباہی و بربادی ہوئی اس کا ذکر کرتی ہیں۔ اس بربادی کی وجہ سے وہاں کے سماج میں جو اثرات ہوئے اس کو اپنے افسانے میں بیان کیا۔ افغانستان میں جہاں ایک طرف سے سوویت یونین حملہ کرتا وہاں دوسری طرف امریکہ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہاں کے مظلوم لوگوں کا پتا نہ چلتا کہ وہ بمباری سے مر رہے ہیں۔ یا فاقوں (بھوک) سے مرے جا رہے ہیں۔ اس حوالے سے لکھتی ہیں۔

"اس کی اولادیں جانے سوویت سنکوں کی گولی سے چھلنی ہوئیں یا امریکی بمباری سے یا شائد فاقے سے مر گئی ہوں یہاں ہر طرف تباہی کا راج ہے۔ اس ملک کا ہر شہر کھنڈر ہے۔"(۱۳)

"آخری بوند کی خوشبو" میں نوری جیسے فرضی کردار کے ذریعے سے عورت کا دکھ بیان کیا ہے جو ہر دور اور ہر معاشرے میں پایا جاتا تھا اور اب بھی پایا جاتا ہے عورت جب ماں باپ کے گھر میں شادی کے انتظار کے لئے بیٹھی رہ جاتی ہے اور اس انتظار کے ساتھ ساتھ اس کے بالوں میں سفیدی اتر آتی ہے اور وہ اسی امید اور خواہش کو دل میں لئے موت سے جا ملتی ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک یہ صرف نوری کا ہی درد نہیں ہے۔ بلکہ معاشرے میں ہر گھر کا المیہ ہے۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھی ہیں:

"نوری کنوارپن کی دہلیز پر بیٹھی رہی وقت کا چرخہ اس کے بالوں میں کپاس کاتتا رہا پھر وہ ایک دن موت کی اندھیری حویلی میں رہنے کے لئے چلی گئی۔"(۱۴)

زاہدہ حنا معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کو بیان کرتی ہیں۔ اور معاشرے میں موجود عورتوں کے ساتھ جو سلوک رکھا گیا ان کو بیان کیا۔ اور اس کے علاوہ وہ مختلف قوموں کی معاشی صورتحال کو بھی بیان کیا۔

ب: نفسیاتی موضوعات:

نفسیات انسانی ذہن کے اعمال و افعال پر مختلف حوالوں سے بحث کرتے ہوئے انسانی ماحول اور تجربات کی بخوبی عکاسی کرتی ہے۔ نفسیات کے ذریعے سے نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں کے کرداروں کا بھی سائنسی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ کرداروں کو محض سرسری طور پر ان کے ظاہری افعال سے مشاہدہ نہیں کیا جاتا بلکہ نفسیات کسی کردار کے افعال کے ساتھ ساتھ اس کیفیت کو سمجھنے پر بھی زور دیتی ہے۔ عام طور پر ظاہری افعال کے پیش نظر کیفیات کے بارے میں نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

"نفسیات کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ انسان کی ذہنی زندگی اور اس کے کردار کا جامع طور پر مطالعہ کرتی ہے جس میں محرکی افعال، شعوری، تحت الشعوری نفسیات آ جاتی ہیں۔ ان افعال اور کیفیات کا مطالعہ باطن، خارجی

مشاہدے دوسرے طریقوں سے کیا جاتا ہے اور یہ مطالعہ طبعی اور معاشرتی ماحول میں ہوتا ہے۔"(۱۵)

نفسیات در حقیقت فرد کی ذہنی سطح اور اس کے مراحل پر مختلف حوالوں سے بحث کرتی ہے۔ ہر انسان کی نفسیات مختلف ہوتی ہے۔ زاہدہ حنا بھی اپنے افسانوں نفسیاتی پہلو کو مختلف کرداروں کے ذریعے سے نوتاریخیت کے زریعے میں پیش کرتی ہیں۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں نفسیات:

"پانیوں پر بہتی پناہ" زاہدہ حنا کا یہ افسانہ بنگلہ دیش کے ایک تاریخی واقعہ پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے وہاں کے لوگوں کی نفسیات کو بیان کیا ہے کہ کس طرح لوگ انسانوں کے جذباتوں اور ان کے ذہنوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اس افسانے میں ایک لڑکی کا کردار ہے جو ایک لکھاری ہے۔ تنہائی اور خوف کے عالم میں مبتلا ہے جو لوگوں سے اس قدر خوف کھاتی ہے کہ اس کو کسی بھی چیز کی آواز سے ڈر محسوس ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں اس قدر ڈر ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سائے سے بھی ڈر جاتی ہے۔

"کندن حسین نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ گہرے بادلوں کی چادر تھی اور اس کے سائے میں تنہائی تھی۔ دریا پر بجھی ہوئی اور لہروں میں گھلی ہوئی خوف تھا اندھریے کی کوکھ سے نکلا ہوا اور فضا میں پھیلا ہوا۔"(۱۶)

زاہدہ حنا اس افسانے میں عورت کی نفسیات کو پیش کرتی ہے انہوں نے فرضی کرداروں کے ذریعے سے تاریخی واقعے کو بیان کیا ہے۔ یہ بنگلہ میں رہائش پذیر ایک عورت کی کہانی ہے جس کا نام "تسلیمہ نسرین" ہے جس کی کتابیں وہاں کے لوگوں کو پسند نہ آئیں تو انہوں نے اس کے خلاف جلسے جلوس نکلنے لگے اور اس کی جان کے لئے قیمت لگائی گئی اور وہ ذہنی خوف کی وجہ سے اس ملک سے بھاگ نکلی۔ زاہدہ حنا نے فرضی کہانی کے ذریعے سے تاریخ کو موجودہ دور میں نوتاریخیت کے ذریعے سے پیش کیا ہے تا کہ ماضی کے حالات کو دیکھ کر

حال کو بہتر بنایا جائے اور مستقبل کو سنوارا جائے۔ زاہدہ اپنے افسانے ”نیند کا زرد لباس“ اور ”رقص مقابر“ میں سرزمین افغانستان کا ذکر کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک افغانستان کی سرزمین انسانی خون کی سرزمین ہے۔ مگر اس جنگ میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والی عورت کی ذات ہے۔ زاہدہ حنا ان افسانوں میں عورت پر ہونے والی ناانصافیوں پر افغانستان کے لوگوں کی نفسیات بیان کرتی ہیں۔ وہ عورتوں کے اس درد کو اپنا درد محسوس کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک جب افغانستان میں طالبان نے قبضہ کر لیا تو ان کا سب سے پہلے مقصد عورتوں پر تعلیم حاصل نہ کرنے کی اور گھر کی چار دیواری میں ہی رہنے کی پابندی لگائی ان کے نزدیک عورتوں کا لکھنا ایک آفت ہے اگر یہ عورتیں پڑھ لکھ گئیں تو وہ اپنے مذہب سے ہٹ جائیں گی اور غیر مسلم بن جائیں گی۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

> ”باجی پروانہ مجھے حاتم طائی اور ابوالحسن کی کہانیاں سناتی تھیں۔ انہوں نے مکتب میں مثنوی مولانا روم کی حکایتیں پڑھی تھیں پھر علم کے طالبان آ گئے اور لڑکیون کے مکتبوں پر تالا پڑ گیا۔ "لڑکیاں پڑھیں گی تو کرشٹان بن جائیں گی۔“(۱۷)

جہاں زاہدہ حنا افغانستان کے طالبان کی سوچ پر طنز کرتی ہیں کہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے لئے تعلیم کے دروازے کھولے نہ کہ مرد تعلیم حاصل کر سکتا ہے اور عورت نہیں حاصل کر سکتی۔ زاہدہ حنا کے نزدیک عورتوں پر تعلیم کے دروازے بند کرنا ایسا ہو گا جیسے عورتوں کو زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔ زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

> ”تعلیم سے کوئی کافر نہیں بنتا، کوئی مر نہیں جاتا بلکہ تعلیم تو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی زیور ہے۔ کیونکہ اس سے عورتیں کرشٹان (عیسائی) نہیں بنتی۔“(۱۸)

اسی طرح زاہدہ حنا اپنے افسانے ”رقص مقابر“ میں بھی عورتوں کے حقوق کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ طالبان نے عورتوں کو غلام بنا کر رکھا ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک ہر دور میں ایسے کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کی سوچ اور طالبان کی سوچ میں فرق نہیں پایا جاتا پاکستان میں بھی بعض علاقوں میں بعض جگہ ایسے ہی عورتوں

کے ساتھ رویہ روا رکھا جاتا ہے زاہدہ حنا اپنے افسانون میں ماضی کی تاریخی حوالوں کے ذریعے حال پر بات کرتی ہے کہ تاریک سے سبق حاصل کرنا چاہیے ۔ نہ کہ ان طالبان کی طرح عورتوں کے حقوق کو ضبط کئے جائیں ۔ جسے وہ اپنے افسانے ''رقص مقابر ''میں لکھتی ہیں۔

> ''عورتیں حجروں میں پیدا ہوں گی اور ان ہی میں زندگی گزار کر اپنے گھروں کے آنگنوں میں دفن کر دی جائیں گی۔ علم انہیں گمراہ کرتا ہے۔ بے باک و گستاخ کرتا ہے''۔[19]

''جاگے ہیں خواب میں'' بغداد اور استنبول پر مشتمل تاریخی واقعہ ہے ۔ مگر زاہدہ حنا نے فرضی کرداروں کے ذریعے سے تاریخ بیان کی ہے۔ ایک خاتوں کی نفسیات پر مشتمل کہانی ہے اس خاتون کا نام ''لالہ'' ہے جو ایک صحافی ہے۔ جو ابھی ابھی بغداد اور استنبول سے لوٹی ہے۔ جب سے وہ بغداد سے واپس آئی وہ ذہنی طور پر زخمی ہے۔ اس نے جو حالات بغداد میں دیکھے وہ ان کی گرفت سے نہیں نکل پاتی۔ آگ ، گولیاں ، دھماکے ، خون کے دھبے، خستہ تن لاشے ، روتے ہوئے اور خون سے لت پت بچے ، چینختی ہوئی مائیں یہ سب آوازیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی وہ نفسیاتی طور پر کشمکش کا شکار ہے۔ سارا بغداد تنور کی مانند ہے اس کی تپش سے وہ خود کو اندر اندر جلتی ہوئی محسوس کرتی ہے۔ وہ اپنے وفادار نوکر کی بیٹری کی آگ سے وہ دہلنے لگتی ہے۔ اس کی اس کیفیت کے بارے میں زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

> ''وہ جب تک جاگتی رہتی سب کچھ ٹھیک رہتا لیکن بستر پر لیٹتے ہی مرتے ہوئے لوگوں کی چینخیں ، خون کی بساند اور پیڑوں سے چپک جانے والے انسانی بدن کے چیتھڑے اس کا تعاقب کرنے لگے۔''[20]

زاہدہ حنا اس بات کو سامنے لاتی ہیں کہ جب انسان کسی واقعہ یا قتل وغارت کو دیکھتا ہے تو اس کے خول سے نکلنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ ''منزل ہے کہاں تیری'' تقسیم کے بعد کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ زاہدہ حنا اس وقت کے لوگوں کی نفسیات کو بیان کرتی ہیں۔ آج کے معاشرے میں بھی ایسی ہی نفسیات

پائی جاتی ہیں۔ تقسیم کے وقت بہت سے ہندو و مسلم ایسے بھی جو اپنے اپنے آباؤاجداد کی جاگیریں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کے نزدیک نسلوں کی بقاء سے زیادہ آبائی جاگیریں اہمیت کے حامل ہیں۔ مگر وہ اپنی پیدائش کی جگہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک جاگیریں ہی ان کا سب کچھ ہیں۔زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"اے جب جندگی وہاں گجار دی تھی تو اب کائے کو آیا ہے؟ کون تیرا سگا بیٹھا ہے یہاں؟""واہ کیوں رہ جاتا وہاں؟ یہ میری جنم بھومی ہے ماتا پتا کا انتم سنسکار ہوا تھا یہاں۔"(۲۱)

زاہدہ حنا جہاں اپنے افسانوں میں ہجرت کی کیفیت بیان کرتی ہیں وہاں پر وہ اس کو انسانی نفسیات کے ساتھ بھی جوڑتی ہیں کہ یہ انسانی نفسیات میں شامل ہے۔ جب ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتے ہیں۔ چاہے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر ہو، ایک علاقہ سے دوسرے علاقے میں ہو یا ایک ملک سے دوسرے ملک ہی کیوں نہ ہو، جہاں پر آدمی کی پیدائش ہوتی ہے۔ وہ جگہ اس کے ذہن سے کبھی نہیں نکل سکتی یہ انسانی نفسیات ہے کہ انسان اپنی پیدائش کی جگہ جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا ہو کبھی بھول نہیں سکتا۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

"میں سوچتی ہوں کہ وہ گھر اب کس حال میں ہوگا جس کی روشن پر چھائیں میرے وجود پر اپنا سایہ ڈالتی ہے۔ شاید اس کی چھتیں گر گئی ہوں اور دیواریں ڈھے گئی ہوں۔"(۲۱)

ایک اور جگہ زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"جب ان ستونوں اور محرابوں پر، در و دیواروں پر میری نظر پڑتی ہے تو مجھے اپنا گھر یاد آتا ہے"۔(۲۳)

"ہوا پھر حکم صادر" عمران کے کردار کے ذریعے سے نفسیات بیان کی گئی۔ جس کے دماغ میں کہیں نہ کہیں ہندوستان اور بنگالیوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ وہ اس نفرت کو کبھی نہیں نکال پاتا۔ حالانکہ اس نے ایک ہندوستانی لڑکی سے پسند کی شادی کی لیکن اس ہندوستان سے نفرت کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان زیادہ عرصہ ایک ساتھ گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔ اور بنگالیوں کے لئے اس لئے نفرت تھی کہ اس کے والد کی وفات کے بعد اس کی والدہ نے بنگالی مرد سے شادی کر لی جس کی وجہ سے وہ بنگالیوں کے لئے نفرت کا جذبہ رکھتا تھا۔ زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

> "میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے میرا باپ ختم ہوا تو دھاڑیں مارتی رہی۔ سال بھر بعد دوسرے مرد سے شادی کر کے امریکا چلی گئی۔ مجھے بورڈنگ ہاؤس میں ڈال گئی پھر سے بیوہ ہو گئی تو تیسری کر لے گی۔"(۲۴)

"رانا سلیم سنگھ" میں زاہدہ حنا نے توہمات کا ذکر کرتی ہیں کہ انسان کی تاریخ میں یہ شامل ہے کہ لوگ توہمات پر یقین رکھتے تھے اور آج کے معاشرے میں بھی بہت سے لوگ اپنے آباؤاجداد کی باتیں کہہ کر ان پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک کردار "رانا سلیم سنگھ" ہے جس کی پیدائش پر اس کی ماں نے کان میں موتی رکھ دیا کہ یہ منت کا ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو انسان اپنے ذہن سے نہیں نکال سکتا۔ چاہے وہ توہمات ہی کیوں نہ ہو۔

زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

> "کہنے لگا" میرے کان میں آپ یہ جو موتی دیکھ رہے ہیں۔ اس میں پڑا ہوا یہ منت کا ہے۔ اس کی بھی ایک کہانی ہے۔ ماتا جی کی شادی کو کئی برس ہو گئے تھے، پر اولاد نہیں ہوتی تھی۔ جب وہ ہر سادھو سنت، پیر فقیر سے مایوس ہو گئیں تو ننگے پاؤں، ننگے سر

حضرت سلیم چشتی کی درگاہ پہنچیں، صاحب ادھر انہوں نے منت مانگی ادھر دس مہینے بعد ہم وارد ہو گئے۔"(۲۵)

زاہدہ حنا اس حوالے سے کہتی ہیں کہ یہ عورتوں کی نفسیات میں زیادہ شامل ہے جب ان کو کسی قسم کی بات پوری نہیں ہوتی تو وہ منت مانگ لیتی ہیں اور خاص کر کے بچہ کی پیدائش کے لئے وہ طرح طرح کی باتوں کو مانتی ہیں۔ حالانکہ ان کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ یہ صرف توہمات ہیں۔ زاہدہ حنا" یہ ہر سور قص بسمل بود" عورتوں کی ممتا کے درد کو بیان کیا اور عورت کی نفسیات کو بیان کیا۔ دنیا میں ماں کا تعلق کسی بھی علاقے سے کیوں نہ ہو وہ اپنے بچوں پر اپنی جاں بھی نچھاور کرنے والے جذبات رکھتی ہے اور اپنے بچوں کے لیے ہر وقت دعا گو ہوتی ہے۔ چاہے بچے اس کے پاس موجود ہوں یا کسی دوسرے ملک میں ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ وہ دن رات اپنے بچوں کے بارے میں سوچتی رہتی ہے۔ اور ان کے لئے دعا گو رہتی ہے۔ آج کے اس دور میں جہاں زندگی کا کوئی پتہ نہیں کہ کب کون مار کے چلا جائے ماؤں کے دلوں میں ہمیشہ اپنے بچوں کے لئے ڈر و خوف رہتا ہے ۔ اس دور میں سب سے زیادہ نقصان ماؤں کا ہوتا ہے۔ جو اپنے بچوں کو دہشت گردی یا کسی بھی اور واقعہ سے مرا ہوا پاتی ہیں۔ وہ مائیں ساری زندگی اپنے بچوں کو یاد کرتی رہی ہیں۔ اس نفسیاتی کیفیت کو زاہدہ حنا اس طرح بیان کرتی ہیں۔

"دنیا بھر کی مائیں جنگ کا ایندھن پیدا کرتی ہوئی مفتوح بیٹیوں اور مقتول بیٹوں کا سوگ مناتی ہوئی۔ اماں بھی نجیب کے لئے اور اس کے لئے آدھی آدھی رات تک مصلے پر بیٹھی رہتی تھی۔"(۲۶)

"معدوم ابن معدوم" میں ایک فرضی کردار کے ذریعے سے نفسیات کو پیش کیا ہے معصوم حسین جو اپنے بیٹے سے تو نفرت کرنے لگا۔ اس کے خط کا جواب نہیں دیتا۔ اس سے ملنے کی کوئی خواہش نہ رہی۔ کیونکہ اس نے پاکستان میں شادی کر لی تھی اور وہ لڑکی معصوم حسین کی سگی بھتیجی تھی۔ مگر جب بیٹے کی اولاد سامنے آتی ہے تو وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اور پوتے سے پیار کرنے لگتے ہیں۔ یہ انسان کی نفسیات ہے کہ بیٹا کوئی

غلطی کر جائے تو اس کو سخت سزا دی جاتی ہے مگر پوتے سے وہی سخت پن محبت میں بدل جاتا ہے۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

> ”وہ بیٹے سے ناراض تھے بہو ان کی سگی بھتیجی تھی پھر بھی اس کی صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ لیکن پوتے کے سامنے موم ہو گئے تھے۔ وہ انہیں سارے میں نچائے نچائے پھرتا۔“(۲۷)

اسی طرح بیٹے کے خط کا جواب نہ دیتے مگر جب ان کے پوتے نے ٹیڑھی میڑھی تحریر میں خط بھیجا تو انہوں نے اس خط کا فوراً جواب دیتے اور پھر اس کے جواب کا انتظار بھی کرتے۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں مذہب:

”منزل ہے کہاں تیری“ ہندو مسلم فساد پر مشتمل افسانہ ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے حقیقی شخصیات کے بجائے فرضی افراد (کردار) کو پیش کیا۔ اس افسانے میں وہ حالات بیان کئے ہیں۔ جب بہت سے انسانوں نے بغیر کسی وجہ کے اپنی جانوں کی قربانی پیش کی۔ ان میں وہ لوگ شامل تھے جو مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے ساتھ پیار و محبت سے زندگی بسر کر رہے تھے مگر ہندوؤں کی سازشوں کی وجہ سے ان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ زاہدہ حنا اس افسانے میں آزادی کے بعد کی تاریخ بیان کرتی ہیں۔ اس میں انہوں نے مذہبی حوالے سے بابری مسجد کو اپنے افسانے میں بیان کیا۔ بابری مسجد جو بھارتی ریاست اترپردیش کے شہر ایودھیا میں ظہیر الدین بابر کے حکم سے دربار بابری سے منسلک ایک نامور شخص میر باقی نے تعمیر کروائی۔ یہ مسجد اسلامی مغل فن تعمیر کے اعتبار سے ایک شاہکار تھی۔ مگر تقسیم کے ب ”بابری مسجد“ کو انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں شہید کر دیا گیا۔ جس سے ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے بہت سے مسلمان اور ہندو مارے گئے۔ زاہدہ حنا نے اپنے افسانے میں اوشا کے پتا کو تاریخی حوالے سے کردار بنا کر پیش کیا ہے کہ کیسے

ہندوؤں کے فسادات کی وجہ سے مسلمانوں نے اوشا کے پتا کی جان لے لی۔ اس میں مذہب کی تفریق کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

> ”اب سے پہلے وہ نہیں جانتی تھی کہ اجودھیا میں گرائی جانے والی مسجد کی قیمت اس کے گھر میں رہنے والے اوشا کے پتا نے بھی چکائی ہے۔“(۲۸)

آج کے دور میں بھی کچھ انتشار پسند لوگ دونوں ملکوں کے درمیان فساد پیدا کرتے ہیں۔ اور پھر اس طرح بہت سے بے قصور لوگوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ حالات کو بدلنا چاہتے ہیں۔ مگر حالات ویسے کے ویسے ہیں۔ زاہدہ حنا یہ بات بتانے کی کوشش کرتی ہیں۔ کہ جب ہم مسلمان تاریخ پر نگاہ دوڑاتے ہیں۔ تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے۔ ہندو مذہب کے پیروکاروں نے مسلم قوم (مسلمانوں) پر ظلم کیا ہے۔ لیکن حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں تو حقیقت کچھ اس سے الگ ہے۔ مسلمانوں نے بھی اپنی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے ہندوؤں پر مظالم ڈھائے۔ ”آخری بوند کی خوشبو“ میں مذہب کی بنیاد پر جو درجہ بندی ہوئی اس کو نو تاریخیت کے زمرے میں بیان کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا مذہب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں۔ کہ کوئی بھی شخص کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، وہ ہندو ہو، مسلمان ہو، عیسائی ہو وغیرہ کسی بھی مذہب کا ہو۔ ہمیں اس کو مذہب کی بنیاد پر نہیں تولنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارا دین اسلام ہے۔ اور اسلام نے ہمیں انسانیت کا پرچار کرنا سکھایا ہے۔ زاہدہ حنا نے "آخری بوند کی خوشبو" میں منشی فیض بخش کے ایک اہم کردار کے ذریعے سے مذہب کے بارے میں آگاہی دینے کی کوشش کی ہے۔

وہ اپنے افسانے میں لکھتی ہیں۔

> ”لیکن انہوں نے اپنی گفتگو میں انسانوں کو کبھی مذہب کے خانوں میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ ان میں سے بیشتر لڑکے ہندو تھے، سکھ تھے، لیکن سائیں فیض بخش نے ان کی زبان سے کبھی ہندو بھائیوں کی بہتری کا جملہ نہیں سنا تھا۔“(۲۹)

زاہدہ حنا اپنے بہت سے افسانوں میں مذہبی علماء نام نہاد مولویوں اور طالبان کا ذکر کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور ان کو بعض جگہ طنز کا بھی نشانہ بناتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ سب مذہب کو ایک ہتھیار کی صورت سے استعمال کرتے ہیں۔ جب ان کو کوئی صورت نظر نہیں آتی تو وہ فتویٰ جاری کر دیتے ہیں اور ہر بات کو مذہب کے ساتھ جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی غلط کام کی حمایت ہو یا درست کام کی مخالفت ہو وہ اپنا فائدہ تلاش کرتے ہیں۔ اسی طرح زاہدہ حنا اپنے افسانے ”پانیوں پر بہتی پناہ“ میں کندن حسین میں کے خلاف اس وجہ سے فتویٰ دیا گیا کہ انہوں نے معاشرے کے ان مذہبی ٹھیکیداروں کے خلاف قلم اٹھایا تھا۔ کندن حسین کا صرف اتنا گناہ تھا کہ اس نے سچ کیوں لکھا۔ جس کی وجہ سے مسجد میں فتویٰ جاری کر دیا گیا۔ اور کندن حسین کے سر کی قیمت لگا دی گئی۔ زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

”جھنجھلائی ہوئی کندن نے دروازہ کھولا تو سامنے سوکھے اور سہمے ہوئے رحیم چاچا کھڑے تھے۔ ننگے پیر، ننگے سر، ہونٹوں پر پپڑیاں، سانس پیٹ میں نہیں سما رہا تھا۔ ٹوٹے ہوئے جملوں میں انہوں نے بتایا کہ وہ جمعہ پڑھنے مسجد گئے تھے۔ جہاں خطبے میں اس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہوئے اس کے سر کی قیمت دو لاکھ ٹکا لگائی گئی ہے اسی لئے وہ اپنی پھٹی ہوئی جوتیاں اور جمعہ چھوڑ کر اس کے گھر آئے ہیں۔“[۳۰]

اسی طرح زاہدہ حنا مذہبی حوالے سے عورتوں کے خلاف ہونے والی ناانصافیوں کی بھی بیان کرتی ہیں۔ کچھ مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام میں تمام پابندیاں عورتوں کے لئے ہیں مرد پر کسی قسم کی بھی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ زاہدہ حنا کا افسانہ "زمین آگ کی آسمان آگ کا" میں اسی حوالے سے بات کرتی ہیں کہ جب بیوی شوہر کے کام میں دیر کر دے یا شوہر کے بغیر سو جائے تو مرد سب بات مذہب کی طرف موڑ دیتا ہے اور اشرف تھانوی کی کتاب ”بہشتی زیور“ نکال کر لاتا ہے۔ زاہدہ حنا اس حوالے سے لکھتی ہیں:

”جہاں تک ممکن ہو سکے میاں کا دل ہاتھ میں لئے رہو، اور اس کے آنکھ کے اشارے پر چلا کرو اگر وہ حکم کرے تو رات بھر ہاتھ باندھے کھڑی رہو۔“[۳۱]

زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں یہ بات بتانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے لئے برابر حقوق پیش کئے ہیں۔ جہاں مردوں کے ہر حکم کو ماننا عورت کے لئے فرض ہے وہاں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ زاہدہ حنا تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے بتاتی ہیں کہ یہ عورتوں کے ساتھ اس طرح کا رویہ ماضی میں بھی روا رکھا جاتا تھا۔ اور آج کے معاشرے میں بھی اسی طرح سے سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے حق کے لئے آواز اٹھاتی ہیں تو ان کو اسلام سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ زاہدہ حنا "زمین آگ کی، آسمان آگ کا" میں لکھتی ہیں۔

> "بیٹے کے گھر آنے کے بعد ان کا واحد مشغلہ، کتابیں، رسالے اور اخبار پڑھنا تھا۔ یہ نعمت ان کے لئے چالیس برس منع رہی تھی۔ وہ اپنی ٹوٹی ہوئی عینک ناک پر جما کر "ندائے مسلمان" اور "صدائے اسلام" جیسے اخباروں کو پڑھیں۔ یہ اخبار انہیں بتاتے تھے کہ وہ بے دین ہو گئی ہیں۔ مشرکوں کے ہاتھوں بک گئی ہیں۔ دین کی دشمن ہیں۔" (۳۲)

زاہدہ حنا عورتوں پر ظلم جو مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے دیا جاتا ہے وہ ان کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک کہ عورتوں کو زمانہ جہالت میں بھی سزا دی جاتی تھی اور آج کے دور میں بھی ان کے حقوق اسی طرح ضبط کئے جاتے ہیں۔ زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں عورتوں کے ساتھ جو مذہب کو دیوار بنا کر ظلم کرتے ہیں۔ ان علماء کے بارے میں لکھتی ہیں۔

> "منادی ہو رہی ہے گلی گلی گھر گھر"، عورتیں گھروں میں رہیں گی۔ سڑک پر ان کا سایہ نظر نہ آئے قدم باہر نکالنے والیوں کو شرعی سزائیں دی جائیں گی۔ عورتوں پر شیطان کا سایہ ہے۔ سو انہیں گھروں میں رکھو۔ کسی اخبار میں ان کی تصویر نہ چھپے کسی اسکول یا مدرسے کی طرف ان کے قدم نہ اٹھیں۔ ٹانگیں توڑ دی جائیں، پیر کاٹ دیئے جائیں گے۔" (۳۳)

زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں جنگ سے مراد جو لیتی ہیں وہ ایک ملک کا دوسرے کے ساتھ یا مذہب کا دوسرے مذہب والے کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مسلمان جو ایک دوسرے کو جہاد کے نام پر دیوانہ وار قتل کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام نے جہاد سے کیا مراد لی ہے۔ مسلمان مسلمان ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ انسان کے آگے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سجدہ کرے اور فرشتوں سے سجدہ کروایا مگر آدم کی اولاد کو آج کے دور میں بے دردی سے قتل کیا جارہا ہے۔ زاہدہ حنا یہ بات سامنے لاتی ہیں کہ قاتل اور مقتول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا مذہب ایک ہی ہے وہ بھی ایسا مذہب ہے جو قتل و غارت کو ناپسند کرتا ہے۔ اسلام ایسا مذہب ہے جو بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔

زاہدہ حنا مذہب پرست لوگوں کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ”یہ جوئے خوں ہے یہ جو جوئے خوں ہے چار برس سے ادھر اور ادھر دونوں طرف دعویٰ نفاذ اسلام کا ۔ دونوں اپنے مقتولین کو شہید کہنے پر مصر ، دونوں ایک دوسرے کے مقتولین کو جہنم واصل کرنے کی لذت سے سرشار، قاتل بھی کلمہ گو مقتول بھی دونوں کے جنم خاکی، دونوں کے صنم فانی۔ اس دور کے مداہین کیوں ننگ مسلمانی۔“(۴۴)

زاہدہ حنا اپنے ملک میں اکثریت واقلیت کو نہیں مانتی۔ اس کے نزدیک ہر شخص جینے کا حق رکھتا ہے اور ہر وہ شخص اپنے ملک کا شہری ہے جو اس ملک میں رہتا ہو۔ اسی طرح پاکستان میں رہنے والا شخص پاکستان کا شہری ہے۔ مذہب کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یہ خدا کا اور اس شخص کا معاملہ ہے۔ اور یہ معاملہ خدا پر ہی چھوڑنا چاہیے نا کہ خود فیصلہ کرنا چاہیے۔ ملک اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے جب ہم اس سوچ سے باہر نکلیں گے۔ قائداعظم نے جب پاکستان بنایا تو ان کا نقطہ نظر بھی یہی تھا۔ قائداعظم نے جس قوم کا خواب دیکھا تھا۔ اس کی مندرجہ ذیل خصوصیت بتاتی تھیں۔

"ایسی سرزمین ہو گئی جو مذہب و مسلک، فرقہ و پرداری، ذات پات کے امتیاز سے پاک ہو گی۔ سیاسی معاملات میں ان کے سارے باشندے آپس میں برابر ہوں گے جہاں ہر شخص کو رزق حلال کمانے اور ترقی کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔"(۳۵)

زاہدہ حنا جہاں مختلف ملکوں میں ہونے والی جنگوں کے بارے میں لکھتی ہیں۔ تو دوسری طرف وہ افغانستان جنگ میں موجود طالبان کو اور ان کا جو طریقہ ہے جہاد کا اس کو بھی بیان کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک ان کا یہ جہاد جہاد نہیں دہشت گردی ہے اور ان کی یہ جنگ نہیں بلکہ اقتدار کو حاصل کرنا ہے اور حکومت کرنی ہے۔ اس بارے میں لکھتی ہیں۔

"دس درویش ایک کمبل میں سو سکتے ہیں۔ لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں سانس نہیں لے سکتے۔"(۳۶)

اسی طرح زاہدہ حنا طالبان کے ظلم و زیادتی پر بات کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ انہوں نے کس طرح عورتوں اور مردوں پر ظلم کرتے اور لوگوں کو کس طرح زبردستی مسجدوں کی طرف دھکیلا۔ بقول زاہدہ حنا:

"کابل میں ہر طرف طالبان کے "امن" پر پرچم لہرا رہے ہیں۔ وہ سفید جھنڈے جن پر خون کے دھبوں کے درمیان اب کہیں کہیں سفیدی رہ گئی ہے لوگ سولیوں پر لٹکائے جا رہے ہیں۔ عورتیں اور مرد سنگسار ہو رہے ہیں۔ بوڑھوں کو ان کی داڑھیوں سے پکڑ کر، لاٹھیوں اور چابکوں سے مسجدوں کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔"(۳۷)

زاہدہ حنا مذہب کی اکثریت اور اقلیت کی سوچ میں نہیں پڑتی۔ زاہدہ حنا کی ہمدردیاں، بہائی، مذہب کے بدنصیبوں کے ساتھ ہیں۔ جنہیں گردش دوران کی چکی میں بہت باریک پیسا ہے۔ جن پر زندگی کبھی مہربان نہیں رہی ہے۔ زاہدہ حنا نے ایران میں اس مذہب کی ابتداء، زوال پھر ان کا ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک کے سفر کو مؤثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"ایران میں شہنشاہت ختم ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی بہائیوں پر ایران کی سرزمین ایک بار پھر تنگ ہو چکی تھی ۔ ہجرت کی پرانی کہانیاں نئی سرزمینوں میں دہرائی جارہی تھیں اور متعدد بہائی خاندان پاکستان میں پناہ لئے ہوئے تھے۔"(۳۸)

زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں مذہب کو بیان کرتے ہوئے معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کو بیان کرتی ہیں اور اپنے افسانوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کے مذہبی حالات بیان کرتی ہیں کہ جو باتیں ان کے حق میں بہتر ہوتی ہیں وہ ان کو اپناتے ہیں اور جو ان کو بہتر نہیں لگتی وہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور عورت کے ہر عمل کو وہ مذہب کے ذریعے سے جانچتے ہیں مگر خود کو بھول جاتے ہیں یہ ہر عہد میں ایسے ہی ہو تا رہا ہے اس لئے زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں ان موضوعات کو بیان کرتی ہیں تا کہ جو ماضی میں ہو چکا ہے وہ حال میں نہ ہو اور مستقبل کو سنوارا جائے۔

د۔ سیاست:

انسان جب معاشرے میں سب کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے تو وہ اپنے معاشرے میں باقاعدہ کوئی باضابطہ نظام چاہتا ہے جس کا اطلاق اس معاشرے پہ ہو جس پر عمل کر کے معاشرے کی اصلاح ممکن ہو اور اس اطلاقی عمل کے لئے کسی طاقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو اقتدار میں آکر ان امور کو انجام دیں جو معاشرے سے متعلق ہوتے ہیں۔

"سیاست عربی زبان کا لفظ اور اسم مؤنث ہے فرہنگ تلفظ میں سیاست کے معنی "حکمرانی، حکمت عملی، ملکی امور، مصلحت اندیشی، حصول اقتدار اور تحفظ مفادات کے لئے جدوجہد ہے۔"(۳۹)

انسان کی جبلت میں شامل ہے کہ وہ اقتدار و قوت چاہتا ہے سیاست ایک اجتماعی عمل ے جس کے اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد کے مطابق:

"سیاست ایک لفظ ہے جس کے معنی پورے دور کی قدروں سے متعین ہوتے ہیں۔"(۴۰)

سیاست کا نقطہ آغاز بھی انسان کی معاشرتی زندگی کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ سیاست در حقیقت کسی دور کے انسانوں اور ان کی قدروں کا مجموعہ ہے جو ان کے عہد میں موجود ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں سیاست کی بات ادبی تناظر میں کریں تو سماجی زندگی کے کم و بیش تمام پہلوؤوں کی عکاسی ہوتی ہے کیوں کہ ادب سیاست سے متاثر ہوتا ہے۔

"لفظ سیاست کے لغوی معنی ملک کی حفاظت و نگرانی، حکومت و سلطنت انتظامیہ ملک، بندوبست اور نظم و نسق کے ہیں۔"(۴۱)

لفظی، اصطلاحی معنی سیاست کے جو بھی ہوں لیکن لفظ سیاست ادبی تناظر میں لفظ سیاست پورے سماج کا استعارہ ہے۔ مصنفہ نے جہاں معاشرے کے کئی پہلوؤں کی عکاسی اپنے افسانوں کے ذریعے کی ہے۔ وہ سیاست کو بھی اپنے افسانوں میں پیش کرتی ہیں۔ مصنفہ موجودہ عہد میں رہتے ہوئے ماضی پر روشنی اور حال کی بہتری کے لئے قلم اٹھاتی ہیں۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں سیاست:

زاہدہ حنا جہاں نو تاریخیت کو بیان کرتے ہوئے سماجی، نفسیاتی، مذہبی موضوعات کو پیش کرتی ہیں۔ وہاں انہوں نے اپنے افسانوں میں سیاست کو بھی نو تاریخیت کے زمرے میں پیش کیا۔ جہاں ماضی میں سماج، انسانی سوچ، مذہب میں تبدیلی رونما ہوئی وہاں سیاست میں بھی اسی طرح کے حالات پائے جاتے ہیں۔ جو ماضی میں موجود تھے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ اب وہ حالات نئے انداز میں سیاست میں رونما ہوتے ہیں۔ زاہدہ حنا اپنے افسانے "آنکھوں کو دکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی" میں 1993ء میں "وائٹ ہاؤس" (ہاؤس آف سوویٹس) کی تاریخ کو بیان کرتی ہیں کہ کیسے ایک حکومت کو ختم کرنے کے لئے کسی بھی جان و مال کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایک ہی ملک سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ زاہدہ حنا تاریخ کے آئینے میں جھانکتے ہوئے موجودہ عہد کی ترجمانی کرتی ہیں کہ ہر دور میں ایسے حالات سامنے آتے ہیں۔ 1993ء میں "وائٹ ہاؤس" پر حملہ ہونے کی وجہ سے بہت سے بے قصور لوگوں کو مارا گیا۔ اسی طرح وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان میں دیکھا جائے تو "لال مسجد" کا واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس دوران حکومت کے فیصلہ کی وجہ سے بہت سے اپنوں کو نیند کی گولی دی گئی۔ زاہدہ حنا اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"تین اکتوبر کو ایک اور "خونیں اتوار" ہماری تاریخ کا حصہ بن چکا۔ پارلیمنٹ میں پناہ لینے والوں پر کھانا اور پانی بند، بجلی کٹ چکی۔ اس کی کھڑکیوں میں شمعیں جھلملاتی ہیں۔ ٹیلی ویژن ہاؤس کے سامنے آدھی رات کو مارے جانے والوں کی لاشیں اٹھائی نہیں گئیں۔ خدا معلوم کس کس کے لہو کی لالہ کاری ہے۔"(۴۲)

"معدوم ابن معدوم" فرضی کرداروں کے ذریعے پاک و ہند کی تاریخ کو بیان کیا۔ اس افسانے میں تقسیم کے بعد کی تاریخ بیان کی گئی ہے کہ جب بھی پاکستان اور بھارت کے سیاسی حالات خراب ہوتے ہیں تو وہ سب سے پہلے ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لئے ذرائع آمدورفت کو بند کر دیا جاتا ہے۔ زاہدہ حنا اس بات کو اپنے افسانے میں بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خط و کتابت بند تھی، فون نہیں ہو سکتا تھا، سفر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پوتے کی پیدائش کی خبر لندن سے آئی تو وہ ہونٹوں سے ہنستی اور آنکھوں سے روتی تھیں۔"(۴۳)

"رقص مقابر" میں زاہدہ حنا نے افغانستان کے سیاسی صورت حال کو بیان کیا۔ کس طرح مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کیا صرف اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے۔ ۱۸ اپریل ۱۹۹۲ء کو مجاہدین کے گروہ نے ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور جنرل نجیب کو پھانسی دے دی گئی اور مجاہدین نے اپنوں کا خون کرنے کے بعد افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ امریکہ کی سازش کی وجہ سے مسلمان مسلمانوں کا خون بہانا شروع ہو گیا۔ امریکہ نے ان افغانستان میں مجاہدین کو مدد فراہم کی تاکہ وہ روسی فوج کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں۔ جب روس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو امریکہ کو ان مجاہدین کی ضرورت نہ رہی اور پھر ان مجاہدین کو امریکہ نے دہشت گرد قرار دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنوں کا خون کر کے اقتدار حاصل کیا۔ بقول زاہدہ حنا:

"ان گستاخوں کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے انہیں پل چرخی کے زندان میں بند کیا جائے۔ ہم کفار کو تہس نہس کرنے آئے ہیں۔ اور ہمیں اسلحہ چاہیے خواہ وہ افرنگی ہو یا امریکی۔"(۴۴)

زاہدہ حنا افغانستان جنگ کا ذکر کرتی ہیں تو اس بات پر سوچتی ہیں کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں مرنے والا اور مارنے والا دونوں مسلم ہیں۔ زاہدہ حنا افغانستان میں جنگ میں طالبان، مجاہدین کے کردار کا موازنہ کرتی ہیں۔ اور ان کے جہاد کرنے کے طریقے پر غور کرتی ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتی ہیں۔ ان کا جہاد کرنے کے طریقے کو دہشت گردی قرار دیتی ہیں۔ اور ان کی جنگ کو صرف اقتدار حاصل کرنے تک محدود سمجھتی ہیں، کیونکہ ایک ہی وقت میں دو حکمران کبھی بھی حکومت نہیں کر سکتے۔ زاہدہ حنا اس حوالے سے شیخ سعدیؒ کے الفاظ مستعار لے کر کہتی ہیں کہ:

"دس درویش ایک کمبل میں سو سکتے ہیں۔ لیکن دو بادشاہ ایک مملکت میں سانس نہیں لے سکتے تو یہ کیسے درویش ہیں جنہیں اپنے سوا کوئی دوسرا گوارا نہیں۔"(۴۵)

"کُم کُم بہت آرام سے ہے" میں زاہدہ حنا نے کابل میں ہونے والی امریکی جنگ کو نو تاریخیت کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ چنگیز خان کے دور کی تاریخ کو کابل کی تاریخ سے ملاتی ہیں۔ جب چنگیز خان نے اپنے پوتے کو بامیاں فتح کرنے کے لئے بھیجا تو اس دوران اس کے پوتے کو قتل کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے چنگیز خان کو بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ سو اس نے اپنے پوتے کا انتقام لیا۔ اپنے افسانے میں زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"چہیتے پوتے کی موت چنگیز خان کے لئے اتنا بڑا صدمہ تھی کہ اس نے بامیان کی وادی میں کسی ایک جان دار کو جیتا نہ چھوڑنے کی سوگند کھائی، سو کوئی مرد، عورت، بچہ، بوڑھا جیتا نہ چھوڑا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ ماؤں کے پیٹ چیر کر ان کے بچے نکالے گئے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ بامیان کی جگہوں میں پھرنے والے کتے، بلیلاں زندہ نہیں چھوڑے گئے اور اس کی ہواؤں میں اڑنے والے پرندے بھی تیروں سے چھید دیئے گئے۔"(۴۶)

اسی طرح زاہدہ حنا نے چنگیز خان کی تاریخ کو کابل کی تاریخ سے ملا کر کابل میں بھی کلسٹر بم کے ذریعے سے وہاں کے بچوں، عورتوں اور مردوں کو نشانہ بنایا گیا۔ انگریزوں کو اس ملک سے نکال دیا گیا تھا۔ تو یہ دوبارہ کس طرح ملک میں داخل ہو گئے ہیں۔ زاہدہ حنا تاریخ کو ماضی سے مستقبل کی طرف لے کر جاتی ہیں کہ چنگیز خان نے توزن بچہ کو لہو پلوا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر آج اس طرح نہیں ہو تا وہ لکھتی ہیں۔

''آج کے چنگیز کہیں نہیں جاتے وہ ڈریکولا کی طرح قوموں کی گردن میں اپنے دانت اتار دیتے ہیں اور خون چوستے رہتے ہیں۔ اپنے ہوائی جہازوں سے موت اور مکھن کی ٹکیاں، بسکٹ کے پیکٹ اور بارودی سرنگیں ایک ساتھ پھینکتے ہیں۔''(۴۷)

زاہدہ حنا ''ہوا پھر حکم صادر'' میں بنگالیوں اور پاکستانیوں کے بٹوارے میں بیان کرتی ہیں کہ کس طرح ہم مسلمان دوسرے ممالک کی سازشیوں میں آکر آپس میں لڑائی شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دوسروں کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے الگ رکھتے، سو وہ اس مقصد میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف اس قدر نفرت بھر دی گئی کہ ہم ایک ملک ہوتے ہوئے بھی الگ ہونا چاہتے تھے۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

''دماغ خراب ہوا ہے تمہارا؟ نہ کالے ٹھگنے ہم پر حکومت کریں گے؟ ہم ان مردود بنگالیوں کے لئے احتجاج کریں گے؟ جلوس نکالیں گے؟ انہیں چن چن کر قتل کر دینا چاہیے۔ گتے، نمک حرام، کھاتے پاکستان کا اور گاتے ہندوستان کا ہیں۔''(۴۸)

زاہدہ حنا آج کے دور سے موازنہ کرتی ہیں تو کہتی ہیں کہ آج کے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے ہر کوئی حکمران بننا چاہتا ہے۔ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ جس طرح پاکستان اور بنگال کے درمیان ہوا۔ بھارت کی سازش کی وجہ سے ایک ملک الگ الگ ملک کی حیثیت اختیار کر لی۔ ''زیتون کی شاخ'' ایڈگر کے کردار کے ذریعے سے سیاسی نقطہ نظر کو پیش کیا ہے ایڈگر جو اس افسانے کا ایک اہم کردار ہے جس کو جبری طور پر ویت نام کی جنگ میں بھرتی کر لیا جاتا ہے۔ اس کا باپ بھی کوریا کی جنگ میں کام آیا۔ یہ ماں کا ایک ہی بیٹا ہے جس کو

جبری طور پر بھرتی کر لیا جاتا ہے اور اس کو ایک ایسی جنگ پر بھیجا جاتا ہے جو اس کی اپنی جنگ نہیں ہوتی۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"ان میں سے کچھ میرین یونیفارم میں تھے اور بعض امریکن آرمی کی وردی پہنے ہوئے تھے۔ یہ سب لڑکے جن کی ابھی کھیلنے کی عمریں تھیں، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک ایسی جنگ لڑنے جا رہے تھے جو ان کی اپنی جنگ نہ تھی۔"(۴۹)

اس کہانی کو پڑھنے سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ افغانستان پر جب حملے کئے جاتے تھے تو اس وقت بھی بہت سے فوجی نوجوان اپنی مرضی کے بغیر بھرتی ہوئے ہوں گے۔ یہ بات بہتر طریقے سے جانتے ہوئے بھی کہ جنگ نسلوں کی بقاء کو تباہ کر دیتی ہے اور ایک دوسرے کے درمیان نفرتیں پیدا کر دیتی ہیں۔ زاہدہ حنا سیاست کے حوالے سے عورتوں کا آشوب بیان کرتی ہیں کہ عورت ایک بے بس مخلوق ہے۔ جنگ میں سب سے پہلے اپنے شوہر کو جانے پر راضی ہو جاتی ہے۔ جب اس کا شوہر شہید ہو کر آتا ہے تو وہ حکومت کے آگے کچھ نہیں کر سکتی اور اپنے لخط جگر کو بھی جنگ میں جانے کے لئے لازمی ہونا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"وہ کس قدر بدنصیب عورت تھیں، اس کا شوہر جنگ کی بھینٹ چڑھا تھا اور اب اس کا بیٹا جنگ کے جنہم زار میں اترنے والا ہے۔"(۴۹)

"رنگ تمام خون شدہ" ایک ایسا افسانہ جس میں حکمرانوں کا ذکر ملتا ہے کہ جب وہ کسی عہد میں حکمران بن جاتے ہیں تو غریب عوام کا استحصال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے اور عوام بھی ان کی ہر بات میں سر جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بقول زاہدہ حنا:

”درباریوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور شہنشاہ کے سامنے زمین پر ایک کیڑا رینگ رہا تھا
شاید اس عہد کے عوام کا Symbol تھا ان ہی جتنا بضاعت اور بس ان ہی جتنا قابل
ذکر۔“(۵۰)

زاہدہ حنا اس افسانے میں طبقاتی فرق کو بیان کرتی ہیں کہ وہ کس طرح لوگوں پر ظلم و جبر کرتے ہیں۔ ان کے لئے سب سے اہم اپنا وجود ہے باقی سب ایک حقیر چیز کی مانند ہیں۔ ان کے نزدیک اعلیٰ حکمران اپنے اصول دوسروں سے مختلف بناتے ہیں اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں کے اصول مختلف ہوتے ہیں۔ وہ جب سیاست میں قدم رکھتے ہیں۔ تو عوام سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کا کام کرتے ہیں۔ جب ووٹ حاصل ہو جاتی ہے تو پھر ان کے بات کرنے کا طریقہ بھی بدل جاتا ہے۔ زاہدہ حنا اپنے افسانے میں یہ بات سامنے لاتی ہیں کہ حکمران کے نام تو بدلتے رہتے ہیں۔ مگر ان حکمرانوں کے جو بنائے گئے اصول ویسے ہی رہتے ہیں۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

”ایسے بے اختیار ہنسی آگئی، شاہوں کے حکمرانون کے آئین ابتداء سے اب تک ایک
ہی تھے۔ عہد بہ عہد ان کے القابات بدل جاتے تھے ان کا طریق حکمرانی بدل جاتا تھا
لیکن وہ ہمیشہ ظل اللہ تھے۔ مامور من اللہ تھے۔“(۵۲)

”بو دو تبوہ کا آشوب“ میں وہ حکمرانوں کے آگے سر اٹھانے والون کے ساتھ جور د عمل بھرتا جاتا ہے اس کو بیان کرتی ہیں کہ کس طرح ان کو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی ہیں اور اس وقت تک سزا دی جاتی ہے جب تک کہ وہ اس دنیا سے چلے نہ جائیں۔ ان کو سزائیں اس وجہ سے دی گئی کہ وہ حکمرانوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ حکمران بھی فیصلہ کرتے ہوئے یہ سوچتے ہیں کہ زمین میں صرف وہی خدا کے نائب ہیں اور خدا کے نائبین سے زیادہ بھلا اور کوئی عدل نہیں کر سکتا۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"وہ ہنس رہے تھے ایک دوسرے کو بتا رہے تھے کہ انہوں نے اسے کس کس طرح کی اذیتیں دیں،، اس کی انگلیوں سے ناخن کس طرح کھینچے گئے، اسے کتنے گھنٹے برف کی سل پر لٹایا گیا اور کتنی مرتبہ بجلی کے جھٹکے دیئے گئے۔" (۵۳)

زاہدہ حنا موجودہ دور کو بیان کرتے ہوئے ماضی میں ہونے والے تاریخی واقعہ کو بھی بیان کرتی ہیں کہ ماضی میں بھی بہت سے ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں جن میں سقراط کا دور ہے۔ سقراط کی جنگ حق، سچائی اور انصاف پر مبنی تھی۔ اس نے بھی اس وقت کے حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ سقراط اس وقت ان کو سمجھاتا رہا کہ تم ایک سچے آدمی کو مارنا چاہتے ہو۔ عدالت کے فیصلہ کے مطابق سقراط کو ذہر کا پیالہ دیا گیا۔ سقراط نے بغیر کسی علت کے ذہر کے پیالہ پی لیا اور اسی طرح سقراط آج بھی زندہ ہے۔ اسی حوالے سے زاہدہ حنا بیان کرتی ہیں کہ ہر دور میں حکمرانون کے خیالات ایسے ہی ہوتے ہیں نام بدل جاتے ہیں مگر خیالات وہی رہتے ہیں۔ یہ اقتدار کی ہوس ہوتی ہے۔ جو ان کو اپنے سوا کوئی نظر نہیں آتا اور یہ حکمران اپنے جاہ و جلال کو قائم رکھنے کے لئے لوگوں کو طرح طرح کی مشکلات دیتے ہیں تاکہ ان کا ڈر اور خوف باقی رہے تاکہ وہ ان کی ہر بات میں جی حضوری کرتے رہے، اس حوالے سے عصمت جمیل لکھتی ہیں۔

"انگلیاں صرف ان ہاتھوں میں ہونی چاہیے جو اپنے آقاؤں کو سلامی دیتے ہیں یا ان ہاتھوں پر جو حکمرانوں کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ باقی تمام انگلیاں بیکار ہیں انہیں کٹ جانا چاہیے، انہیں کاٹ دیا جانا چاہیے۔" (۵۴)

زاہدہ حنا جہاں دوسرے ملکوں میں ہونے والی جنگوں سے پریشان ہیں وہاں پر وہ اپنے ملک کراچی میں ہونے والی دہشت گردی اور تشدد پر بھی پریشانی کا اظہار کرتی ہیں حالانکہ پاکستان میں دہشت گردی ہر جگہ ہوتی رہی ہے۔ مگر سب سے زیادہ کراچی میں تشدد اور لوٹ مار ہو رہی۔ موجودہ دور میں اس میں کافی حد تک قابو بھی پایا گیا ہے۔ زاہدہ حنا اپنے افسانے "بہ ہر سور قص بسمل بود" میں کراچی کے حالات کو بیان کرتی ہیں کہ

اس شہر میں ہر بڑے کام ہوتے ہیں۔ یہاں اغواء، رشوت اور بھتہ خوری سب کام عام ہو چکے ہیں۔ ہر آئے دن ایک دوسرے کا قتل، ہڑتال وغیرہ، عام سی بات ہوتی جا رہی ہے۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

> "ہر تیسرے چوتھے ہڑتال اور ہڑتال کے نتیجے میں بارہ، اٹھارہ، بیس، بائیس لاشوں کا گرنا ایک معمول کی بات تھی۔ اخبار وحشت ناک خبروں اور خون آلود تصویروں سے بھرے ہوئے۔"(۵۵)

کسی بھی ملک کی ترقی کا ضامن اس ملک کے نوجوان طبقہ ہوتا ہے لیکن کسی بھی لڑائی جھگڑے یا جنگ میں نوجوانوں کو ہی نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس قوم کو کامیابی کے راستے پر چلنے سے محروم کرتی ہے۔ جنگ کے ذریعے انسانی ذہنوں کو ایک خاص قسم کے پروپیگنڈے کے ذریعے امن و سکون کی راہ سے ہٹا کر تعصب اور نفرت کی اس انتہا پر پہنچا دیا جاتا ہے کہ انسانوں کی جانوں کے مقابلے میں "قومی تفاخر" کو آگے رکھا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ایک جاپانی مصنفہ ساکائے سوبوٹی لکھتی ہیں۔

> "معزز! بیوہ کچھ دیر وہیں کھڑی تمغے کو تکتی رہی۔ عزت کی یہ چھوٹی سی علامت ایک آدمی کی جان کا بدل تھی۔ اعزاز کے یہ تمغے نہایت بے شرمی کے ساتھ اپنی تعداد بڑھاتے اور ایک کے بعد ایک گھر کے دروازے کو آرائش دیتے جا رہے تھے۔ چھوٹے بچے ان کے سب سے بڑھ کر دل دادہ تھے۔"(۵۶)

زاہدہ حنا اپنی تحریروں کے ذریعے سے انسان دوستی اور امن کا درس دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک جنگ انسانی زندگی کی تباہی ہے۔ ہمیں انسانی زندگی کی قدر کرنی چاہیے۔ زاہدہ اپنے افسانوں میں تاریخ کو نو تاریخیت کے تناظر میں یہاں بیان کرتے ہوئے مختلف معاشرتی موضوعات کو رقمطراز کرتی ہیں۔ مصنفہ سیاسی، سماجی، معاشی، نفسیاتی، مذہبی اور تاریخی عوامل پر گہری نگاہ رکھتی ہیں اور انہیں اپنے افسانوں میں موضوع بنا کر پیش کرتی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف پاکستان کے حالات کو تاریخی حوالے سے پیش کیا بلکہ مختلف ممالک کی تاریخ کو بیان کرتے ہوئے حال کے ساتھ موازنہ کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۵

۲۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۲

۳۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۵

۴۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۴۶

۵۔ زاہدہ حنا، زرد ہوائیں، زرد آوازیں، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۱۷

۶۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۱۹

۷۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۲

۸۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سو رقص بسمل بود، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹۹

۹۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسماں آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۲

۱۰۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسماں آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۵

۱۱۔ زاہدہ حنا، آنکھوں کو رکھ کر طاق میں دیکھا کرے کوئی، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵

۱۲۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۳

۱۳۔ زاہدہ حنا، آخری بوند کی خوشبو، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۹۵

۱۴۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، ادب اور نفی ادب (مضامین) دستاویز مطبوعات، لاہور ۱۹۹۷ء، ص۹

۱۵۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۹

۱۶۔ زاہدہ حنا، نند کا زرد لباس، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۵۶

۱۷۔ زاہدہ حنا، نند کا زرد لباس، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۵۶

۱۸۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۸۵

۱۹۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷، ص۱۶۹

۲۰۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ درر قص بسم ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۵۸

۲۱۔ زاہدہ حنا، ناکجا آباد ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ، ۲۰۱۷، ص ۱۱

۲۲۔ زاہدہ حنا، ناکجا آباد، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷، ص۱۵

۲۳۔ زاہدہ حنا، ہوا پھر حکم صادر، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۴۹

۲۴۔ زاہدہ حنا، رانا سلیم سنگھ، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۲۳

۲۵۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سو در قص بسمل ہے، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۵۵

۲۶۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۴۲

۲۷۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۶۵

۲۸۔ زاہدہ حنا، آخری بوند کی خوشبو، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۸۵

۲۹۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۴۵

۳۰۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسمان آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۴

۳۱۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسمان آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۸۴

۳۲۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۹

۳۳۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۸

۳۴۔ زاہدہ حنا، جناح پیپرز، اسلام آباد، قائداعظم پیپرز پروجیکٹ کینٹ ڈویژن، حکومت پاکستان، ۲۰۰۰ء، ص

۳۵۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۹

۳۶۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۵

۳۷۔ زاہدہ حنا، یکے بود یکے نہ بود، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵۸

۳۸۔ فرہنگ تلفظ، مرتبہ، شان الحق حقی، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، طبع سوم، ۲۰۰۸ء، ص ۶۴۸

۳۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، "یافت و دریافت"، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۹، ص ۹۲

۴۰۔ فرہنگ آصفیہ، مرتبہ: مولوی سید احمد دہلوی، جلد سوم و چہارم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع پنجم، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴

۴۱۔ زاہدہ حنا، آنکھوں کو رکھ کے طاق میں دیکھا کرے کوئی، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵

۴۲۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۴۵

۴۳۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۵

۴۴۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۹

۴۵۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۴

۴۶۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۸

۴۷۔ زاہدہ حنا، ہوا پھر حکم صادر، مشمولہ در رقص بسمل ہے"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵۵

۴۸۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۴

۴۹۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۲

۵۰۔ زاہدہ حنا، دنگ تمام خون شدہ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۹

۵۱۔ زاہدہ حنا، دنگ تمام خون شدہ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۶۵

۵۲۔ زاہدہ حنا، بود نبوہ کا آشوب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۶

۵۳۔ زاہدہ حنا، جسم و زباں کی موت سے پہلے، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، ص ۲۳۴

۵۴۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سور قص بسمل بود، مشمولہ در رقص بسمل ہے، ص ۱۱۱

۵۵۔ ساکائے سوبوئی، چوبیس آنکھیں، (مترجم) اجمل کمال، مشعل، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۷۷

باب سوم:

زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا اسلوبی جائزہ

اسلوب:

اسلوب کسی بھی ادیب کا انداز اور تحریر کو کہتے ہیں۔ اردو میں یہ لفظ عربی سے مشتق ہے۔ انگریزی میں "Style" استعمال کیا جاتا ہے۔ یونانی میں "Stylos" اور لاطینی میں "Stylus" کا لفظ اسلوب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فوزیہ اسلم اسلوب کے معانی یوں بیان کرتی ہیں۔

> "اس کے لئے عربی میں "اسلوب" فارسی میں "سبک" اور ہندی میں "شیلی" استعمال ہوتا ہے۔ Style کا مادہ یونانی زبان کا کلمہ Stylos ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیک میں اس کا رشتہ لاطینی کے Stylus سے جوڑا گیا ہے۔ "Stylus" قدیم زمانے کا اوزار تھا جو ایک لوہے کا بنا ہوا نوکدار قلم تھا جس کے ذریعے سے پتھر پر اہم واقعہ، شعر لکھتے تھے۔"

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں اسلوب کے لئے الفاظ درج ذیل ہیں۔

> "Pointed Instrument for writing and marking. The stylus was used in ancient time as a tool for writing on parchmentor papyrus. Early Greeks incised letters on tablets of boxwood covered with wax".[۲]

دی یونیورسل ڈکشنری آف انگلش لینگویج میں اس کا مطلب یوں بیان ہوا ہے۔

"Lat, Stilus, pointed instrument spike, pale, instrument for writing on waxed tablets, writing, composition, mode of expression"(۳)

اسی طرح اردو کی لغات میں اسلوب کے لغوی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ نوراللغات کے مطابق:

"اسلوب (ع مذکر) راہ، صورت، طرز روش، طریقہ، بندھنا لازم، صورت پیدا ہونا، راہ نکلنا۔" (۴)

فرہنگ تلفظ میں اس کے معانی یوں بیان کئے گئے۔

"اسلوب، طور، طریقہ، وضع، انداز، روش، حکمت عملی، اصلاح۔"(۵)

فیروز اللغات میں یوں اسلوب کے معانی بیان ہوئے۔

"طریقہ، طرز، روش جمع، اسالیب۔"(۶)

جامع اللغات میں اسلوب کے معانی اس طرح لکھے ہیں۔

"ترتیب، ڈھنگ، سلسلہ انتظام، طریقہ، روش، طرز، طور، راستہ، راہ، کام کرنے یا چلن کا طریقہ، شکل وصورت، خوش اسلوب۔" (۷)

"اسلوب" کے لغوی معنی کے حوالے سے دیکھا جائے تو طرز انداز، اسٹائل، ڈھنگ وغیرہ لئے جائیں گے۔ اصطلاح میں اسلوب کسی بھی ادیب یا شاعر کے بیان کرنے یا لکھنے کا وہ طریقہ ہے جو اسے دوسروں سے منفرد دکھائے۔ جو ادیب یا شاعر کی شناخت بن جائے۔ تاہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلوب کسی بھی ادیب کی شخصیت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد "اسلوب" کے بارے اپنے خیال کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

"میں نے اسلوب کو انکشاف ذات اور اظہار ذات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ گویا اسلوب ذات شخصیت کا اظہار ہے۔ تنقید میں اسلوب سے مراد لکھنے کا وہ رویہ یا انداز ہے جس سے لکھنے والے کی شخصیت کے ساتھ اس کے عصر کا مزاج بھی واضح ہو۔ گویا اسلوب شخصیت اور روح عصر کے ساتھ خیال کے اظہار کا وسیلہ بھی ہے۔"(۸)

اسی حوالے سے سید عابد علی عابد حتمی طور پر کہتے ہیں۔

"اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کی وہ انفرادی طرز نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز ہو جاتا ہے اس انفرادیت میں بہت سے عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔"(۹)

اسلوب اظہار خیالات و احساسات کا ایک وسیلہ ہے کہ مصنف کیسے اپنے خیالات و احساسات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اگر مصنف اپنے خیالات و احساسات کو دوسروں تک بہتر انداز میں پہنچا سکے تو اس طرح مصنف کے اسلوب کو نقص تصور کیا جائے گا۔ اسلوب ایک ابلاغ کا کام سر انجام دیتا ہے۔ سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"کہانی کہنے کا ایسا انداز اور ایسا طریقہ جو سننے والوں کو اپنی طرف کھینچے اور پھر کسی اور طرف نہ جانے دے اسی چیز کا نام حسن بیان ہے کہ کہانی کہنے والا جب اس سے کام لیتا ہے تو جو کوئی اس کہانی کو سنتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور متوجہ ہو کر پھر کسی اور کی بات پر کان نہیں دھرتا۔" (۱۰)

اسلوب خیالات کے عکس کی حیثیت رکھتا ہے اگر مصنف کے خیالات میں الجھاؤ ہے تو یہ الجھاؤ مصنف کے اسلوب میں بھی نظر آئے گا جب مصنف اپنے خیالات کو الفاظ میں تبدیل کرنے کے لئے ان کو توڑتا مروڑتا ہے۔ کانٹ چھانٹ کرتا ہے پھر اس میں کچھ تبدیلی کے بعد اسے ایک شکل دیتا ہے تو اس طرح مصنف کی پوری شخصیت اس میں تحلیل ہو چکی ہوتی ہے گویا جو کچھ اس نے لکھا ہوا ہوتا ہے اس میں اس کی

شناخت ہونے لگتی ہے اس طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلوب ذات شخصیت کے اظہار کا نام ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> "لکھنے والا بہر حال چیزوں کو دیکھتا ہے۔ ان کے بارے میں سوچتا ہے اور ایک مخصوص انداز بیان میں ان تاثرات کو پیش کرتا ہے جو ردعمل کے طور پر اس کی شخصیت میں ترتیب پاتے ہیں اسی لئے یہ اسلوب اس کی شخصیت کا عکس اور اس کے مزاج کا آئینہ دار ہوتا ہے۔"(۱۱)

اسلوب خیالات اور زبان کا ذاتی اظہار ہے۔ اچھا سلوک اسی کو کہہ سکتے ہیں جس میں بناوٹ اور نمود و نمائش نہ ہو۔ جو فطرت کے عین مطابق ہو۔ اسلوب جہاں مصنف کی غمازی کرتا ہے وہاں وہ مصنف کے دماغ کا آئینہ بھی ہوتا ہے اور اسی طرح ادب پارے میں اس کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ مصنف اپنے سوچ، تجربہ اور علم کے ذریعے سے اپنے خیالات کو الفاظ کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ اسلوب مصنف کی انفرادیت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ جس طرح دنیا میں ایک ہی صورت کے دو آدمی نہیں ہو سکتے یا ایک والدین کے بچے آپس میں مشابہت نہیں رکھتے اسی طرح ایک مصنف کا اسلوب دوسرے مصنف سے جدا ہوتا ہے اسلوب کی وجہ سے ایک دور کو دوسرے دور سے ایک شے کو دوسری شے سے اور ایک ادب پارے کو دوسرے ادب پارے سے الگ کیا جاتا ہے یا الگ کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ زبان و بیاں:

تخلیق کار اپنے تخیل کے ذریعے جس انداز یا Style سے اپنی تحریر کو ایک شکل میں لاتا ہے اور اس دوران وہ جس قسم کی زبان اور الفاظ استعمال کرتا ہے۔ وہ اس تحریر کا اسلوب ہوتا ہے کیونکہ اسلوب زبان و بیاں کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا پلاٹ کے ساتھ ساتھ کسی بھی تحریر کی خوبصورتی کا انحصار زبان و بیاں پر ہوتا ہے۔

افسانے کے تمام واقعات اور کرداروں کو زبان و بیاں سے ہی ترتیب دیا جاتا ہے الفاظ اظہار کا ذریعہ ہے اس لئے ادب کے تمام اصناف زبان اور الفاظ کی محتاج ہیں۔ افسانے میں کرداروں کی حرکات و سکنات، بول چال کو زبان و بیاں کے زریعے ہی سامنے لایا جاتا ہے۔ افسانے میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح واقعات کی ترتیب کے ساتھ زبان کی باریکیوں کا بھی دھیان رکھا جائے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی تاریخی افسانے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اگر زبان کی رنگینی ہمیں اپنی طرف کھینچے گی تو قصہ کی طرف سے ہماری توجہ ہٹ جائے گی اس طرح زبان کی خوبیاں ہمارے اور قصے کے درمیان حائل ہو جائیں گی۔"(۱۲)

تاریخی افسانے چونکہ اجنبی سرزمین کے اجنبی کرداروں پر مشتمل ہوتے ہیں تو اس پہ ان تاریخی افسانوں کے کرداروں کی زبان و بیاں کا خیال زیادہ رکھنا چاہیے۔ ان کے درمیان واضح فرق ہونا چاہیے۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں زبان و بیاں:

"تقدیر کی زندانی" رنگوں سے متعلق کہانی ہے عرفان جس کے دادا رنگون گئے اور واپس نہیں آئے اور اس کی دادی زندگی بھر ان کا انتظار کرتی رہی۔ عرفان ایک اکلوتا پوتا ہوتا ہے اور بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا۔ زاہدہ حنا نے ہندو سماج کی عکاسی کی ہے اور ان کے کرداروں میں زبان کا استعمال بھی اسی دور کے مطابق کی ہے۔

"نمسکار ماتا جی! لالہ جی نے بھجوائے ہیں" دادی ماں جب رنگ اڑے کو اڑ کے پیچھے سے دعائیں دیتیں۔

"راجہ جی اچھے تو ہیں؟" دادی صاحب پوچھتیں۔

"جی ماتا جی، بھگوان کی کرپا سے راجی کشل ہیں۔" (۱۳)

"میری دعا کہیو"

ان مکالموں میں زاہدہ حنا ان کی زبان کے زریعے سے ایک طبقہ کی زندگی بھی بیاں کی اور تہذیب بھی بیان کی ہے۔ زبان سادہ اور ماضی کے مطابق بیاں کی۔

"جاگے ہیں خواب میں" آسان اور سادہ زبان کو استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بغداد کی تاریخ کو موجود دور کے ذریعے سے پیش کی ہے۔ سادہ اور چھوٹے جملوں کا استعمال کیا ہے۔ ہر کردار کے مطابق اس کی زبان کو پیش کیا ہے۔ لالہ کے گھر میں کام کرنے والے نوکر کی زبان بندی بولتے ہیں۔ ویسے ہی استعمال کی۔

"کون ہے؟" لالہ نے بہ آواز بلند پوچھا۔

"ہم رامو ہیں بٹیا، بڑی بٹیا یاد کرت ہیں۔

"پورب کے رامو کی آواز آئی۔ وفاداروں کی یہ نسل اب عنقا ہو گئی تھی۔

"رامو چاچا ہم ابھی آوت ہیں" لالہ نے ان ہی کے پوربی لہجے میں ہانک لگائی اوور دروازے کی طرف بڑھی۔"(۱۴)

زاہدہ حنا کو زبان اور اس کے استعمال پر عبور حاصل ہے جو جہاں بھی کسی بھی کردار کے مطابق زبان کو بدل دیتی ہے۔ زاہدہ حنا بغداد کی تاریخ کو بیان کیا اور نو تاریخیت کے ذریعے زبان و بیاں کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا نے اپنے افسانوں میں زبان بھی وہ استعمال کی جو نہ صرف یہ کہ غیر مانوس بلکہ آج کے نوجوان کے لئے وہ متروک قرار پا چکی ہے اور جسے ہماری دادیاں نانیاں استعمال کرتی تھیں۔ زاہدہ حنا نے تاریخی حوالے سے اور کرداروں کے مطابق ہے زبان کو اپنے افسانوں میں استعمال کیا ہے تاکہ ماضی کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

"نچلے آنگن" میں بچے جمع ہیں اور کھیل رہے ہیں ان کی آواز مرزا صاحب تک آ رہی ہے۔ آلو گالو ماموں چور، باگھ جئے بگولہ، جئے ساون ماس کریلا پھولے، پھول پھول کی ڈالیاں، باوا گئے گنگا، لائے ست پیالیاں، ایک پیالی پھوٹ گئی، نیولے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔"(۱۵)

اس کے بر خلاف ایک دوسرا لہجہ اور زبان یوں بیان کرتی ہیں:

"وہ سہمی سہمی محبتیں اور نرم و نازک سائے جو سوز دروں سے شمع کی طرف پگھل کر بہہ گئے۔ کسی کے لبوں کو چھونے کی آرزوں میں کانپتی ہوئی انگلیاں اور کسی کے قدموں کی چاپ سن کر زرد پڑ جانے والے چہرے اب نہ وہ چاہنے والے رہے اور نہ وہ محبتیں اور رفاقتیں رہیں۔ سب کچھ ختم ہوا، وقت کی آگ میں بھسم ہوا۔" (۱۶)

زاہدہ حنا دونوں جگہ مختلف لہجہ اور زبان کو استعمال کیا جو ان کی زبان کی خوبصورتی کا ثبوت ہے۔ زاہدہ حنا کے سوچ کا انداز مختلف ہے۔ وہ افسانوں میں زبان کا استعمال کرتے ہوئے سوچ اور گہرے مطالعہ سے استعمال کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا مختصر جملوں کے ذریعے سے اپنی بات کو سمجھا دیتی ہیں اور ایک لفظ کے ذریعے سے تاریخ کو بیان کر رہی ہیں۔ جو ہر قاری کے بس کی بات نہیں۔

"ہر رات مجھے چباتی ہے اور میں ختم نہیں ہوتی۔ ہر دن مجھے پیتا ہے اور میں موجود رہتی ہوں۔" (۱۷)

اس افسانے میں زاہدہ حنا نے عورتوں کی بے بسی کو مختصر سے جملوں میں بیان کیا اور ایک تاریخ کو بھی بیان کیا کہ عورت ہر عہد میں بے بس ہوتی ہے اور مردوں کے نزدیک ان کی خواہش کو پورا کرنے کا وقت نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ اپنے افسانے "بود و ہود کا آشوب" میں مردوں کے کردار کو اس طرح بیان کرتی ہیں۔

"جب یہ میری موجودگی محسوس کریں گے تو یہ جھپٹ کر اپنے بھیڑیا چہروں پر بکروں کے ماسک چڑھالیں گے، ان کی غزائیں گھٹی گھٹی، ممیاتی آوازوں سے بدل جائیں گی۔" (۱۸)

زاہدہ حنا افسر اور اعلیٰ عہدے پر فائز لوگوں پر بات کرتی ہیں اور ان کو نو تاریخیت کے حوالے سے پیش کرتی ہیں کہ ہر دور میں ایسا ہوتا ہوا آیا ہے کہ لوگ سامنے اور پیٹھ پیچھے اور ہوتے ہیں اور خاص کر کے حکمران اور ان کے آگے موجود ملازمین جو عوام کو بے وقوف بناتے رہتے ہیں اسی طرح کا ایک کردار زاہدہ حنا نے پیش

کیا جو اپنی بیوی کے سامنے ایک اعلیٰ افسر کی حیثیت رکھتا ہے مگر بیوی کی پیٹ پیچھے وہ بہت سے بے قصور کی جان کا قاتل بھی ہو تا ہے۔ زاہدہ حنا نے لمبی بات کرنے کے بجائے مختصر اور جامع الفاظ کا استعمال کیا اور بات کو بھی اس انداز کے ساتھ پیش کیا کہ پورے واقع کی سمجھ آ سکے۔

"انسان کس قدر کم جانتا ہے اپنے زمانے کے بارے میں اپنے بعد آنے والے زمانے کے بارے میں انسان بچوں کی طرح ہے انہی کی طرح ناواقف، انہی طرح لاعلم۔" (۱۹)

زاہدہ حنا نے ان مختصر جملوں میں اور سادہ الفاظ کے ذریعے سے زمانے کو سمجھنے کی طرف دھیان دلایا ہے کہ جب تک انسان اپنے ماضی کو سمجھ نہیں سکے گا اس وقت تک اس کا حال بہتر نہیں ہو سکتا اور اس بات کو بچوں سے جاملاتی ہیں کہ جس طرح بچوں کو کچھ نہیں معلوم ہو تا اسی طرح ہمیں اپنے ماضی اور زمانے میں کوئی واقفیت نہیں ہے۔ زاہدہ حنا کو زبان کو بیان کرنے میں عبور حاصل تھا انہوں نے اپنے افسانوں میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے دوسری زبانوں کو بھی استعمال کیا اور افسانے میں ضرورت کے مطابق اس زبان کو استعمال کرتے ہیں۔ جسے وہ افسانوں میں فارسی کا استعمال کرتے ہیں۔"سعدی شیرازی نے کہا تھا:

"دو درویش در گلیمے بہ خسپند و دو بادشاہ اقلیمے نہ گنجند۔"(۲۰)

سعدی کے کہنے کے مطابق دس درویش ایک کمبل پر سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک مملکت میں سانس نہیں لے سکتے۔ یہاں زاہدہ حنا طالبان کے حوالے سے بات کرتے ہیں کہ جب وہ ملک میں آئے تو انہوں نے وہاں کے حکمران کو قتل کر کے خود اقتدار حاصل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو بھی بے خوف قتل کئے جاتے رہے۔ اسی طرح وہ ایک اور افسانے میں فارسی زبان کو استعمال کرتی ہیں۔

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"(۲۲)

ایک اور جگہ لکھا ہے۔

"رانہ ہشت صد و نو دونہ، درولاہت فر تحانہ یہ س دواز دو سالگی بادشاہ شدم۔"(۲۳)

زاہدہ حنا تاریخ کو بیان کرتے ہوئے اپنے افسانوں میں فارسی زبان کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ جو ان کے افسانوں میں ایک الگ پن کی حیثیت رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ تاریخ کو بھی بیان کرتے ہیں۔ زاہدہ حنا کا بچپن ہندوستان میں گزرا اس لئے ان کو سہرام اور کراچی دونوں جگہیں بہت پسند تھی۔ زاہدہ حنا افسانے کو زبان کا استعمال اس طرح کرتی ہیں کہ انسان افسانے پڑھتے ہوئے اس دور میں چلا جاتا ہے اور جو کچھ تاریخ میں پڑھتا ہے اس کو اپنے آپ کے ساتھ ویسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے وہ "منزل ہے کہاں تیری" میں لکھتی ہیں۔

"ابے جب جندگی وہاں گجار دی تھی تو اب کائے کو آیا ہے؟ کون تیرا سگا بیٹھا ہے یہاں؟"

"واہ کیوں رہ جاتا وہاں؟ یہ میری جنم بھومی ہے ماتا پتا کا انتم سنسکار ہوا تھا یہاں"

"تیرا مسنک پھریلا ہے یہاں سے کھسک لے کسی کو پتا پڑ گیا کہ کون ہے تو جنم بھومی پر ہی انتڑیاں نکال لیں گے۔"(۲۳)

اس افسانے میں جہاں وہ کراچی کے حالات کو بیان کرتی ہیں۔ وہاں ایک ہندو کردار کو اسی کی زبان سے پیش کرتی ہے۔ جس سے اس کو اپنے باپ دادا کی زمین سے لگاؤ ہے اور وہ پاکستان میں ہی زندگی بسر کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ مگر جس طرح وہ کراچی کو اپنا گھر مانتا ہے اس طرح کراچی کے لوگوں نے اس کو اپنا نہ مانا اور اس کو قتل کر دیا۔ زاہدہ حنا چونکہ اپنے افسانوں میں علامتوں کو استعمال کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں پہلو در پہلو گفتگو ملتی ہے اور ان کی تحریر میں ایک تاریخ بیان کرتے ہوئے دوسری تاریخ کو حوالے کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ خیالات میں سلاست اور صفائی ہے۔ زاہدہ حنا کو تاریخ سے گہرا لگاؤ رکھتی ہیں اور وہ تاریخ کو موجودہ عصری حالات سے آگاہ کرتی ہیں۔ وہ اپنے افسانوں کو کسی بھی خاص تاریخی واقعے، سانحے سے مماثل کر کے کہانی کو آگے بڑھا دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے تاریخ کو سمجھے بغیر ان کے افسانوں کو سمجھنا مشکل ہے۔ ان کے افسانوں کو سمجھنے کے لئے تاریخ سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ جیسے وہ اپنے افسانے "کُم کُم آرام سے ہے" میں کابل کا قصہ بیان کرتے ہوئے وہ چنگیز خان کی تاریخ سے جا ملاتی ہے۔ مگر ان کے انداز بیان میں ذرا برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا۔

"ان دونوں میں جہاں جی رہی ہوں، وہ امریکہ کا وار تھیٹر ہے۔چنگیز خان کا لشکر بامیان کا ذن بچہ کو لہو پلوا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ لیکن آج کے چنگیز خان کہیں نہیں جاتے، وہ ڈریکولا کی طرح قوموں کی گردن میں اپنے دانت اتار دیتے ہیں۔ اور خون چوستے رہتے ہیں۔ اپنے ہوائی جہازوں سے موت اور مکھن کی ٹکیاں، بسکٹ کے پیکٹ اور بارودی سرنگیں ایک ساتھ پھینکتے ہیں۔" (۲۴)

یہاں پر زاہدہ حنا نے اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے دو عہدوں کی تاریخ کو بیان کر دیا اور پڑھنے والے کو اس میں الجھاؤ پیدا نہیں ہونے دیا اور اپنی بات کو اہمیت پیدا کرنے کے لئے تاریخی حوالہ بھی پیش کر دیا کہ چنگیز خان کے دور میں کیا ہوتا تھا اور آج کے دور میں کیا ہوتا جا رہا ہے۔زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں انگریزی کے بہت سے الفاظ استعمال کرتی ہیں۔ جو ان کے افسانوں میں ایک الگ سارنگ دکھاتے ہیں۔

"ڈرائنگ روم سے ایک بار پھر Boney M کی آواز آئی He was Stepps,s Wolf میں کسی معمولی کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ میری نگاہوں میں اس بھیڑیئے کا توانا بدن کھنچ گیا جسے میں نے لذتوں کا راتب کھلایا تھا۔ (۲۵)

ج۔ تشبیہات:

تشبیہ علم البیان کی پہلی صفت یا صیغہ ہے۔ اس کے معنی مشابہت دینا ہے یعنی کسی بھی چیز کو اس کی کسی خاص خوبی کی وجہ سے کسی دوسری چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی تشبیہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"تشبیہ کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کو کسی خاص صفت کے اعتبار سے کسی دوسری چیز جیسا قرار دینا۔" (۲۶)

زاہدہ حنا کے افسانوں میں تشبیہ:

"جل ہے سارا جال" کی کہانی ایک ایکوریم کے گرد گھومتی ہے ۔ جس میں ایک قیدی Achilas Tang سانس لیتی ہے۔ ارم ایکوریم کی پرستار خاتون کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جب پاکستان میں بیشتر گھروں میں یہ

تصور پایا جاتا تھا کہ عرب ان کے رازق اور پالن ہار ہیں۔ اس معاشرے میں تمکنت اور اس کے شوہر کے لئے یہ فخر کا مقام تھا کہ ان کی بیٹی پر کوئی ولی عہد فدا ہو اور بیاہ کر لے گیا۔

"ارم کو شادی کے بعد اندازہ ہوا کہ کسی عرب شاہ زادے کی بیوی بننا کوئی ہنسی ٹھٹھول نہیں۔ وہ اس کی منکوحہ تھی اور عرب شاہزادے کے بقول وہ اس کی کھیتی تھی اور کھیتی اس بات کی مجاز نہیں کہ وہ ہل چلانے والے کو اس بات پر ٹوکے کہ ہل کھیتی کے آغاز سے چلایا جائے یا اختتام سے۔" (۲۷)

اس میں افسانہ نگار نے عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی کہ عورت ایک کھیتی کی مانند ہے۔ جس طرح کھیت میں انسان اپنی مرضی سے کام کرتا ہے ہل چلاتا ہے اسی طرح عورت بھی مرد کی کھیتی ہے اور اس پر صرف اسی کا حق ہے۔

"زرد ہوائیں، زرد آوازیں" کا آغاز بھی خوش نما ہے۔ اس کہانی کو ماضی کی یادوں سے آگے بڑھایا اس کہانی کی راوی کو اپنے ایک ہم وطن سے پیار ہو جاتا ہے جس کا نام امیت ہے اور دیکھتے دیکھتے یہ دونوں محبت کی اس انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں وصال و ہجر بے معنی لفظ لکھتے ہیں۔ دونوں کے درمیان محبت انتہا تک تھی دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہونے کا فیصلہ اس وجہ سے کرنا کہ امیت پہلے سے شادی شدہ تھا اور وہ اپنی بیوی کو چھوڑ نہیں سکتا ہے اور اس کے سر سے یہ سایہ چھیننا ایسا ہے جیسے اپنے سر کو بے سایہ کیا جائے۔

"میری آنکھوں میں سرخ رنگ پھیلنے لگتا ہے"

اس میں سرخ رنگ سے مراد خون نہیں اس سے مراد وصال کا رنگ ہے یہاں پر زاہدہ حنا نے آنکھوں کو سرخ رنگ سے تشبیہ دی اسی طرح ایک اور جگہ لکھتی ہیں۔

"میری آنکھیں پر آب ہو جاتی ہیں سامنے سمندر ہے لہریں آزاد ہیں۔ کہیں بھی چلی جاتی ہیں۔ کسی ساحل کو چوم کر آجاتی ہیں۔ لیکن میں بھلا کہاں جا سکتی ہوں۔" (۲۸)

یہاں پر افسانہ نگار نے آنکھیں کو سمندر سے تشبیہ دی اس کی آنکھیں بھی سمندر کی طرح پانی سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر سمندر کا پانی آزاد ہے حرکت کر سکتا ہے مگر میری آنکھیں سمندر کی طرح ہوتے ہوئے بھی کہیں نہیں حرکت کر سکتا۔"بود و نبود کا آشوب" میں ایک ایسی لڑکی ہے جو اپنا ایک نظریہ رکھتی ہے۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ وہ مظلوموں کے پشت پناہ اور ظلم کے خلاف کھڑا ہونا تھا یہی لڑکی جب اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جاتی ہے تو وہاں اس کی ملاقات فوجی افسر سے ہوتی ہے۔ جلد ہی ان دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو اپنے شوہر کی اصلیت کا پتا چل جاتا ہے کہ وہ فوجی افسر تو ہے لیکن اس نے بہت سے بے قصور کی جان لی۔ جس کی وجہ سے اسے اپنے آپ سے بھی نفرت ہو جاتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میرے پیٹ میں پلنے والی جان اگر قئے کرنے کی شے ہوتی تو وہ اسے قئے کر کے اپنے وجود کو ہلکا کر لیتی۔ اس افسانے میں اسے جب اپنے شوہر کی اصلیت کا پتا چلتا ہے تو اس انداز کو زاہدہ حنا نے تشبیہ کے ذریعے سے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

"ان لوگوں نے میری موجودگی کو محسوس نہیں کیا ہے لیکن جب یہ میری موجودگی محسوس کر لیں گے تو یہ جھپٹ کر اپنے بھیڑیا چہروں پر بکروں کے ماسک چڑھالیں گے ان کی غراہٹیں گھٹی گھٹی ممیاتی آوازوں سے بدل جائیں گی۔"(۲۹)

اس میں ان کو بھیڑوں سے تشبیہ دی کہ جس طرح بھیڑیا اپنا شکار کرتا ہے اور وہ بکریوں اور دوسرے جانوروں کو اپنی خوراک کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہاں بکروں سے معصومیت کو ظاہر کرتی ہے۔"زمین آگ کی، آسمان آگ کا" عورتوں کے حوالے سے لکھا گیا افسانہ ہے۔"شہنشاہ بانو" جو اپنے والدین کے گھر میں تو تعلیم حاصل کرتی ہے اور اپنے ماں، باپ کے گھر میں کتابیں بھی پڑتی ہیں۔ مگر شادی کے بعد کتاب کو دیکھنے تک نہیں دیا جاتا۔ جب تک وہ اپنے شوہر کے گھر خاموش اپنے شوہر کی ناانصافی کو برداشت کرتی ہے اس وقت تک وہ اس گھر میں رہتی ہے مگر جب اس نے اپنے حق کے لئے بولنا چاہا تو اس کو طلاق دے دی جاتی ہے۔ اس نے اپنی عمر کے چالیس برس اپنے شوہر کے گھر گزارتی ہے اور پھر عمر کے آخری حصہ میں اس کو طلاق دے دی جاتی ہے۔

"یہ ہماری بوٹیاں اڑادیں گے دادی اماں" اس آواز میں جان کے سوا عزت کا خوف تھا یہ ان کی پوتی کی نہیں، ازلی اور ابدی عورت کی چیخ تھی۔۔۔ عورت زمانے کے ہر لشکر کا مال غنیمت۔۔۔۔۔ لیکن یہ تو اپنے تھے۔" (۳۰)

اس افسانے میں عورت کو مال غنیمت سے تشبیہ دی گئی۔ جس طرح پہلے کے دور میں جب جنگ کے دوران جو بھی جیت جاتا تو اس جنگ میں انہیں جو کچھ ملتا وہ اسے مال غنیمت کے طور پر اپنے ساتھ لے آتے۔ یہاں پر بھی زاہدہ حنا نے عورت کو مال غنیمت قرار دیا۔ "منزل ہے کہاں تیری" میں ہجرت کے حالات کو بیان کیا گیا اور اس افسانے میں ہجرت کا وقت تھا لیکن بہت سے ہندو اور مسلمان اپنے آبائی گھر اور جائیدادیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے اور وہ اسی ملک میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک کردار اس افسانے میں بیان کی گیا جو اپنے آباؤ اجداد کی جگہ کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ تو عالیہ نے سوچا بھی نہ تھا کہ "وقت" کو گھڑیوں میں قید سمجھنے کا بچپن کا کھیل اس کا ہاتھ تھام کر فزکس میں پی ایچ ڈی تک لے جائے گا۔۔۔۔۔۔ وقت نسبت کے اعتبار سے آزاد اور جدا ہو کر کوئی وجود نہیں رکھتا۔ ہر شخص کا اپنا ایک وقت ہے جو دوسرے سے جدا اگانہ ہے۔" (۳۱)

یہاں وقت کو گھڑی سے تشبیہ دی گئی یعنی ہر انسان کا ایک وقت ہوتا ہے اور وہ اپنے وقت پر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ جس طرح وقت آزاد اور جدا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح انسانی وجود بھی وقت سے آزاد اور جدا نہیں۔ اسی افسانے میں زاہدہ حنا ایک اور جگہ تشبیہ کا استعمال کرتی ہیں۔

"ٹی وی لاؤنج پانی پت کا میدان بن گیا اسے بنایا جارہا تھا کہ اس نے مذہب، تہذیب، تاریخ کو روند دیا ہے۔ خاندان کی آن بان خاک میں ملا دی ہے اور گھر والوں کی ناک کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دی ہے۔" (۳۲)

پانی پت وہ تاریخی جگہ ہے جہاں بہت سے حکمرانوں نے جنگیں لڑتی۔ پانی پت کے نام کو افسانے تشبیہ کے طور پر بیان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ناک کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دی ہے سے مراد کہ عزت کو خاک میں ملا دینا یا عزت کو کم کرنا ہے۔ "جاگے ہیں خواب میں" میں ایک صحافی عورت کا کردار بیان کیا گیا ہے جو بغداد رپورٹنگ کے لئے بھیجی گئی تھی۔ بغداد کے بارے میں اس نے اپنے والد سے طرح طرح کے خوشگوار قصے سن چکی تھی۔ مگر جس وقت اسے بھیجا گیا اس وقت بغداد کے حالات خراب ہو چکے تھے۔ اس تمام حالات کا اثر اس کے ذہن پر پڑ جاتا ہے اور وہ ذہنی طور پر زخمی ہو جاتی ہے۔ سارا بغداد ایک تنور بن چکا ہے۔

"امریکی پاپ کارن کے شوقین، انھوں نے بغداد کو پاپ کارن مشین بنا دیا جس میں وہ عراقیوں کو، بھٹے کے دانوں کی طرح بھون رہے ہیں۔" (۳۳)

پاپ کارن مشین سے تشبیہ دے کر بیان کیا گیا کہ امریکی بغداد کے لوگوں کے ساتھ کس طرح سے سلوک روا رکھتے ہیں۔ ان کو کس طرح موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ یہ صرف بغداد کا قصہ نہیں ہے بلکہ ہر ملک میں بھی یہی صورت حال قائم ہے۔ "جل سے سارا جال" میں تمکنت بیٹی کے بارے میں بیان کرتی ہے کہ میری بیٹی میرے لئے ایک شہزادی ہے اور میری جان میری بیٹی میں ہے ہر والدین کی طرح تمکنت بھی اپنی بیٹی کے لئے وہی جذبات رکھتی ہے۔ والدین کو اپنے بچے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔

"وہ اکثر کہتی ہے کہ پہلے کی کہانیوں میں شہزادی کی جان کسی طوطے کی بائیں آنکھ کی پتلی میں ہوتی تھی۔ یا دیو کے بالے میں پروئے ہوئے موتی میں۔ لیکن میری جان ارم میں ہے اسی لئے وہ اسے "زندگی" کہتی تھی۔ (۳۴)

"پانیوں پر ہی پناہ" عورتوں کے حق پر لکھا گیا افسانہ ہے عورت اپنے معاشرے میں اگر کھل کر لکھنا چاہیے تو وہ لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک کردار اس افسانے میں پیش کیا گیا۔ جس پر قتل کا فتویٰ جاری اور اس کے سر کی قیمت رکھی گئی۔

"خوف کا آسمان تھا اور دشت بے اماں جس میں دور دور تک بچھے ہوئے اندیشوں کی بارود کی سرنگیں تھیں کوئی اسے پہچان نہ لے۔ اس کی جان کی دشمنوں تک یہ خبر نہ پہنچ جائے جیسے سندر بن رہنے والے شیر اور چیتے گھیرے جاتے ہیں اور ان کا شکار کیا جاتا ہے۔"(۳۵)

یہاں پر شیر اور چیتے کی تشبیہ دی گئی کہ کندن جس کو ہر وقت خوف اور دہشت دیتی تھی کہ اس کو بھی شیر اور چیتے گھیرے جاتے ہیں اس کو بھی نہ گھیر اجائے اور اس کا شکار نہ کیا جائے۔

د۔ علامت نگاری:

علامت ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح جوڑا جائے کہ دونوں چیزیں مل کر ایک کی نمائندگی کرنے لگیں علامت کہتے ہیں۔ ادب میں علامت کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری چیز مراد لیتا۔

"لفظ "علامت" کے لئے انگریزی زبان میں "Symbol" استعمال کیا جاتا ہے۔ "جو دراصل قدیم یونان کی ایک مذہبی رسم سے لیا گیا ہے یہ دو الفاظ "Sym" (ساتھ ہونا) اور "Ballein" (پھینکنا) پر مشتمل ہے قدیم یونان کے مندروں میں بعض پر اسرار رسوم ادا کی جاتی تھیں ان رسوم میں شمولیت کرنے والوں کو ہڈی کا ایک ٹکڑا ریا جاتا تھا جو اس امر کی شہادت مہیا کرتا تھا کہ اس شخص نے یہ خاص مذہبی رسمیں ادا کی ہیں اور یہ ان رسمون کی گہری مذہبی اہمیت سے آگاہ ہے۔ ہڈی کا یہ ٹکڑا "Symbola" کہلاتا تھا۔"(۳۶)

علامت کے لغوی معنی فیروز اللغات اور فرہنگ آصفیہ میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

فیروز اللغات:

"علامت ۔۔۔۔ نشان، پتا، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، چھاپ، مہر، لیبل، آثار وغیرہ۔"(۳۷)

فرہنگ آصفیہ:

"علامت (ع۔اسم مؤنث) نشان، کھوج، سراغ، اشارہ، کنایہ، Mark، مہر، آثار وغیرہ۔"(۳۸)

علامت کے لغوی معنی نشان، پتا، کھوج وغیرہ کے ہیں اسی طرح علامت ایک چیز کا دوسری چیز کے متبادل ہونا بھی ہے۔ علامتیں اپنے دور، ماحول اور ضرورتوں کے مطابق بدلتی رہتی ہیں اور کبھی کبھی پرانی علامتوں کو موجودہ ماحول کے مطابق ترامیم کیا جاتا ہے۔ بقول عارف عبدالمتین:

"علامت کسی بھی نوعیت کی اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی بھی دوسری چیز کی نشاندہی کرے یا اس کا سراغ مہیا کرے۔ بالفاظ دیگر علامت اس پر مبنی وجود کا نام ہے جس کی معنویت محض اس سے ماورا کسی اور وجود کے حوالے میں مضمر ہے۔"(۳۹)

ادب میں علامتوں نے کئی پہلوؤں سے وجود حاصل کیا کہیں الفاظ کے ذریعے سے کہیں زبان کے ذریعے سے اور کہیں تصورات کے ذریعے سے وجود پایا۔ زبان یا الفاظ اس وجہ سے بھی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے سے تخلیق کار اپنا تخلیقی کام قاری تک پہنچاتا ہے یہ ادیب اور قاری کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے۔ علامت کا تعلق سراسر ذہنی ہوتا ہے علامت شے کو اس کے پوشیدہ تصور سے منسلک کرتی ہے جب شے علامت کا روپ اختیار کر لیتی ہے تو وہ قاری کے ذہن کو اس پوشیدہ تصور کی طرف موڑ دیتی ہے۔ جب ادیب کسی لفظ کو علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اپنی تخلیقی قوت کی بدولت لفظ اور اس کے پوشیدہ معنی میں ایک ربط پیدا کرتا ہے جو اس کے فن پارے میں خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ علامتیں کوئی ٹھوس نہیں ہیں جن کے معنی تبدیل نہ ہو سکتے وقت کی ضرورت کے مطابق علامتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ ان علامتوں کے اندر تبدیلی لانا شاعر اور ادیب کا کمال ہوتا ہے۔ شاعری اور افسانہ دونوں میں علامتوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کہانی میں علامتوں کا استعمال دو سطحوں پر مشتمل ہے۔ پہلی سطح تو وہ ہے جو کہانی کی بالکل ظاہری ہوتی ہے جسے ہر

قاری سمجھ سکتا ہے۔ افسانے میں معانی کی دوسری سطح وہ ہے جو علامت کی بدولت وجود میں آتی ہے جس کے پوشیدہ معنی ہوتے ہیں۔ علامت چونکہ لفظوں میں بیان کی جاتی ہے۔بقول جابر علی سید:

"ہر لفظ ایک علامت ہے جو روح فطرت اور فطرت انسان کی متعدد فصلیتوں کو پیرائیہ ابلاغ بخشتی ہے یہ وہ قندیل ہے جو شبستان روح کے تمام تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے۔"(۴۰)

ادب میں جو علامتیں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کی تہذیبی و تاریخی اہمیت ہوتی ہے ۔ ان علامتون کی مدد سے کسی دور کے ادب کی تاریخ کا پتہ کر سکتے ہیں۔ یہ علامتیں اس حوالے سے بھی مدد کرتی ہیں کہ جس دور میں افسانے کے اندر علامتوں کے استعمال سے اس دور کی سیاسی، سماجی، معاشی تاریخ کا پس منظر کیا تھا۔ یہ علامتیں اپنے اندر علم اور تاریخ کا ایک وسیع دور رکھتی ہیں۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں علامت:

علامت کے استعمال میں ایک نئی صورت زاہدہ حنا کے افسانوں میں نظر آتی ہے ان کے افسانے مختلف پرتوں میں معانی کا انکشاف کرتے ہیں۔ ایک وہ معانی جو پڑھنے سے ذہن میں فوری آجائے اور اس کے علاوہ اس کو سمجھنے سے اس کے اندر بہت سے معانی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ زاہدہ حنا کو اپنے افسانوں میں جہاں سیدھے سادہ انداز سے تفہیم ممکن ہوتی ہے وہاں اسلوب سادہ رکھتی، جہاں علامتی اور تجدیدی انداز بیان کی ضرورت ہوتی وہاں وہ علامات کا استعمال کرتی ہیں۔

"آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ یہ دیکھا کرے کوئی" میں لکھتی ہیں۔

"زندگی کی رہ جانے والی ساعتوں کا شمار کرتی ہوئی۔ خواہش کرتی ہوئی کہ موت مجھے میری امید، میری ندیژرا کو دیکھنے کی مہلت ضرور دے۔"(۴۱)

اس افسانے میں زاہدہ حنا نے امید، ندیٹرا کو اولاد کے لئے علامتی طور پر استعمال کیا ہے اس افسانے میں "زویاہٹوف" کا کردار جس کو پتا ہوتا ہے کہ اگر وہ ماں بنتی ہے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ مگر وہ اس بات کی خواہش کرتی ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اپنی اولاد کو دیکھ سکے۔

"ناکجا آباد" کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے ایک ایسی بستی جس کا کوئی مقام ہی نہ ہو۔ اس افسانے میں ان لوگوں کے بارے میں بیان کیا گیا جو ہجرت کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ نئی جگہ میں ان کو ہر قسم کی سہولت میسر ہوتی ہے مگر ذہنی طور پر ہمیشہ مہاجر ہی رہتے ہیں۔ مطلب ان کا مقام ناکجا آباد ہے۔

> "میں اپنے آس پاس کھڑے جامن اور پیپل کے پیڑوں کو دیکھی ہوں اور حیران ہوتی ہوں۔ نہ جانے یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ انہیں اس زمین میں کس نے لگایا تھا اور ان کی جڑیں زمین میں جانے کہاں تک پھیلی ہیں۔"(۴۲)

یہاں پر افسانہ نگار درختوں کی جڑیں سے مراد خاندان کو علامت بنا کر پیش کیا ہے ایک طرف یہ جڑیں ماضی میں پیوستگی کی علامت ہیں۔ وہاں نسل در نسل چلنے والے خاندان کو بھی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ درخت بھی انسانوں کی طرح ہیں۔ جس کا حسب نسب وقت کے ساتھ ساتھ گم ہو چکا ہے اور یہ اب بے حیثیت اور گم نام ہیں۔ جس طرح میرا شجرہ نسب وہاں ہی رہ گیا جہاں سے میں ہجرت کر کے آتی ہوں میری جڑیں اسی آنگین میں رہ گئی ہیں۔

"تتلیاں ڈھونڈنے والی" اور "جسم وزبان کی موت سے پہلے" دونوں کہانیوں میں ظلم و جبر کے مقابلے میں ضمیر کی آزادی کے ساتھ جینے کو حاصل حیات کو سمجھا جاتا ہے۔ "تتلیاں ڈھونڈنے والی" میں نرجس کے کردار کے ذریعے سے کہانی بیان کی گئی جسے سزائے موت دی جارہی ہے۔ پورا افسانہ اسی کے گرد گھومتا ہے اور آخر میں اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔

> "میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی بیٹے"
>
> "تو کیا آپ اسی گھر میں رہیں گی"
>
> "نہیں بیٹے" "میں تمہارے لئے تتلیاں ڈھونڈنے جاؤں گی"(۴۳)

یہاں پر زاہدہ حنا نے تتلیاں سے مراد آزادی لی ہے مہدی (بیٹا) کے اچھے مستقبل کے لئے اس کی ماں نے اپنے حال کو پیش کر دیا اور اس امید پر اختتام کی جاتی ہے کہ آنے والی نسلوں کے راہ کے کانٹے پہلی نسل نے اپنی قربانیوں سے چن لئے ہیں۔ ''جسم و زبان کی موت سے پہلے'' ایک ایسی عقوبت آمیز کہانی ہے۔ جس کے کردار ''عباس'' پر تشدد اور اذیتوں کے عجب عجب کھیل کھیلے جاتے ہیں اسے جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی خدمات سے دوچار کیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنے نصب العین کو چھوڑ دیئے مگر وہ اس ظلم کے سامنے سینہ سپر رہتا ہے۔

> ''اب وہ ڈھول کے اندر لیٹا نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے کان ڈھول کے فرش سے دور تھے شور اس سے ایک یا دو سینٹی میٹر دور ہو گیا تھا۔''(۴۴)

اس میں ڈھول سے مراد قید خانہ ہے جس میں "عباس" کو بند کیا گیا ہے اور عباس کو طرح طرح کے قید خانوں میں بھیجا جاتا ہے۔

''نیند کا زرد لباس'' ایک تاریخی واقعہ کو درد بھرے انداز میں بیان کیا گیا۔ افغان پر جو تباہی ہوتی اس کو اس افسانے میں پیش کیا گیا۔

> ''آپ کے بھیجے ہوئے جہاز جب ہمارے لئے بسکٹ کے پیکٹ، مکھن کی ٹکیاں اور رنگ برنگ کی تتلیاں گرا رہے تھے تو میں اور میری کئی سہیلیاں ان تتلیوں کو اٹھانے کے لئے بھاگیں، بسکٹ کے پیکٹ اور مکھن کی ٹکیاں اٹھانے والے بچ گئے۔ تتلیاں پکڑنے والی میری دو سہیلیوں کو تتلیاں اپنے ساتھ لے گئیں اور میری ایک ہتھیلی بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔''(۴۵)

یہاں پر زاہدہ حنا نے تتلیاں کو بارودی تتلیوں کو علامت کے طور پر پیش کیا ہے کابل میں امریکہ کی طرف سے ہوائی جہاز کے ذریعے سے بمباری کی گئی اور اس دوران بہت سی جانیں چلی گئیں۔ ''رنگ تمام خون شدہ'' میں مور اور مورنی کو علامت بنا کر پیش کیا۔ انہوں نے مور اور مورنی کو زندگی کی علامت بنایا کہ انسان

کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کسی بھی وقت زندگی سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے ہیں کہ جب مور مورنی کے لئے ناچ رہا ہوتا ہے تو کیپٹن رحیم کو گولی سے اس کے زندگی کے رنگوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی یہی حال ہے اور ملک کے حالات کے سبب کسی کو بھی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں کہیں سے بھی کیپٹن رحیم کی طرح گولی مار سکتا ہے اور کسی بھی بے قصور کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔

> "کیپٹن رحیم کے ریوالور نے تو پھر سیسہ اگلا اور پندرہ سترہ گز دور چبوترے پر ناچتے ہوئے، جھنکارتے ہوئے مور نے جھونگ کھائی۔ اس کے لاجوردی، سبز اور سنہری پر ہوا میں اڑے اور خون کے چھینٹے اڑاتا ہوا بدن پھڑکنے لگا۔" (۴۶)

"زیتون کی شاخ" میں عینک کو علامت کے طور پر استعمال کیا کسی بھی تاریخ کو سمجھنے کے لئے اس ملک کی تاریخی ادب پڑھے بغیر سمجھ نہیں سکتے۔

> "یونان کی تاریخ کی بہت سی الجھنیں، یونانی ادب پڑھے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس طرح اگر ہمیں لوئی چہار درہم کا عہد سمجھنا ہے تو اس کے لئے ادب کی عینک لگانی پڑتی ہے۔" (۴۷)

یہاں پر عینک سے مراد بصیرت، غور و فکر ہے کہ اگر کسی بھی ادب کو سمجھنا ہے تو پہلے اس کی تاریخ کو پڑھنا پڑے گا۔ پھر جا کر اس کسی بھی دور کی تاریخ سمجھ میں آئے گی۔ اسی افسانے میں زاہدہ حنا نے "دھواں" کا لفظ استعمال کیا اور اس "دھواں" کو وہ علامت بنا کر پیش کیا۔ اس "دھواں" سے مراد دھماکے تھے۔

> "پھر بہت سی آوازوں نے بچوں کی آوازوں کے ساتھ آواز ملائی، دھواں ہے، دھوں ہے، ہر طرف ان الفاظ کی بازگشت تھی۔" (۴۸)

اس افسانے میں "ایڈگر" نامی کردار پیش کیا جس کو اس کی مرضی کے بغیر جنگ میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جس جنگ میں اس کے باپ فوت ہو چکا تھا۔ اس کو بھی اسی جنگ میں زبردستی بھیج دیا جاتا ہے۔

"میں تمہیں یہ خط اس لئے لکھ دیتی ہوں کہ میرا بیٹا اور تمہارا دوست آج سے ڈیڑھ ماہ قبل ہائی پھونگ میں ختم ہوا۔ ایڈگر کی خواہش تھی کہ اگر وہ محاذ پر کام آ جائے تو تمہیں اس کے انجام کی اطلاع دے دی جائے۔"(۴۹)

یہاں پر کام آنے سے مراد جنگ میں فوت ہو گیا وہ محاذ ر اپنی جان دے دی۔ "جل ہے سارا جال" میں ایک ایکوریم کے ذریعے سے افسانے کو آگے بڑھایا گیا۔ ایکوریم جس میں Achilas Tang جیسی خوبصورت مچھلی پائی جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ہجرت کا ملال تو ہوتا ہے مگر اس کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی ہے کہ کسی بڑی مچھلی کا وہ نوالہ بن جائے گی یہاں پر ایکوریم کو معاشرے کے طور پر پیش کیا گیا ہے یہاں پر تمکنت جو اس افسانے کا ایک اہم کردار ہے اس بات کی خواہش رکھتی ہے کہ ایک ایسا معاشرہ (ایکوریم) موجود ہو جس میں ایک جان کو دوسری جان سے خطرہ نہ ہو۔

"یہاں یہ چھوٹی مچھلیوں کو نہیں کھا سکتی، یہاں بڑی مچھلیوں کا نوالہ نہیں بن سکتی میں دہل کر اپنی بیٹی کو دیکھتی ہوں اور ایک ایسے ایکوریم کی خواہش کرتی ہوں جہاں وہ نہ چھوٹی مچھلی کو نگل سکے اور نہ بڑی مچھلیوں کا نوالہ بن سکے۔"(۵۰)

"جاگے ہیں خواب میں" بغداد کے لوگوں کو علامت کے ذریعے سے پیش کیا کہ امریکی فوج ان کے ساتھ کیسا سلوک رکھتے ہیں اور ان کو کس طرح اذیت کی موت دی جاتی ہے۔

"موت کی ضیافت کے لئے دستر خوان چنا ہوا۔۔۔۔۔ آیئے صاحبان۔۔ افغان سجی، فلسطینی تکے اور عراقی کباب، سب ہی کچھ حاضر ہے۔ حضور، عالی جاہ یہ صرف پچپن ساٹھ برس کی جنگوں کا ثمر ہے۔"(۵۱)

بغداد میں اتنی جنگیں ہوئیں کہ اس کے نتیجے میں ہر قسم کے انسانوں کا گوشت دستیاب ہے۔ مراد بغداد میں ہر ملک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ "رنگ، تمام خون شدہ" اس

افسانے میں اعلیٰ عہدے پر فائز افسران پر طنز کرتی ہیں اور ان کے چھپے ہوئے چہرے سامنے لاتی ہیں کہ وہ سامنے کچھ اور ہوتے ہیں مگر اصل میں ان کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ زاہدہ حنا اس افسانے میں معاشرے پر طنز کرتی ہیں کہ معاشرہ بھی ان اصل شکل کو نہیں دیکھتا یا دیکھنا نہیں چاہتا اور اس طرح وہ جب کسی عہدے پر فائز ہو جاتے ہیں تو یہی عوام ان کے لئے صرف ایک کیڑے کی طرح ہوتی ہے۔

"تیری تصویر میں جو اس سال اکبر اپنے درباریوں کے درمیان تھا۔ سر پر چھتر کا سایہ تھا ، درباریوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور شہنشاہ کے سامنے زمین پر ایک کیڑا رینگ رہا تھا شاید یہ کیڑا اس عہد کے عوام کا Symbol تھا۔" (۵۲)

یہاں پر زاہدہ حنا اکبر کا ذکر کرتے ہوئے ایک تاریخ پیش کرتی ہیں اور اس دور کی عوام کو ایک کیڑے کے Symbol کو علامتی انداز میں پیش کرتی ہیں۔ تاریخ میں بھی عوام کے ساتھ ایسا ہوتا ہے ان کو صرف ایک کیڑا سمجھا جاتا تھا اور آج کے دور میں بھی عوام کے ساتھ ہی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ جو امیر ہیں وہ امیر سے امیر تر ہوتے جاتے ہیں اور غریب سے غریب تر ہوتے جاتے ہیں اور بڑے حکمرانوں اور بڑے عہدے پر فائز لوگوں کے سامنے غریب صرف ایک کیڑے کی طرح ہے۔

تلمیح:

نثر یا نظم میں کسی قومی ، مذہبی واقعے کو اشاراتی حوالے سے بیان کرنا تلمیح کہلاتا ہے ۔ ابو اعجاز حفیظ صدیقی تلمیح کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

"کلام میں کسی فرضی ، تاریخی واقعے کسی آیت قرآنی یا کسی مشہور شعر کی طرف اشارہ کرنا یا نجوم ، موسیقی ، ریاضی وغیرہ علوم کی اصطلاحات استعمال کرنا صفت تلمیح کہلاتا ہے۔" (۵۳)

کسی بھی ادیب یا نثر نگار کے لئے اپنی تحریروں میں پورے واقعہ کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا اس لئے وہ اپنی تحریروں میں کسی تاریخی واقعہ کو تلمیحات کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں۔ وہ ایسے ایسے الفاظ و خیالات تراشتے ہیں۔ جن کو پڑھ کر قاری کا ذہن میں سارا واقعہ تازہ کر دیئے اور اس کے علاوہ وہ تحریر میں کہانی اور

واقع کے درمیان ربط بھی پیدا کر سکے۔ تلمیح کے استعمال سے ایک طرف تاریخی واقعہ سامنے آتا ہے تو دوسری طرف تحریر میں حسن بھی پیدا ہوتا ہے اور اس کے استعمال سے مصنف کی علمی حیثیت، مرتبہ اور تاریخ سے اس کی دلچسپی بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اچھی اور مواقع کے مطابق تلمیحات کا استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تخلیق کا تاریخ کے ساتھ مطالعہ اور اس کا علم وسیع ہو۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں تلمیح:

تلمیح علامتی سلسلوں کی ایک اہم کڑی ہے۔ زاہدہ حنا نے اپنے تخیل کے ذریعے سے زندگی کے نت نئے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ افسانہ ”رقص مقابر“ میں ”آدم کے بیٹے قابیل“ کا ایک تاریخی قصہ بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔ ہابیل کا قتل قابیل کے ہاتھوں سے ہوا۔ زاہدہ حنا نے اس واقع کو تلمیح کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے اپنے افسانے میں قابیل کا ذکر کر کے یہ بات سامنے لائی کے دنیا کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ جو بھی دنیا میں آتا ہے اس نے واپس جانا ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے بھی حکومت کے حوالے سے اس تاریخی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ کسی بھی ملک میں جب کوئی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتا ہے یا جب کسی ایک پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو اس کا بھی اقتدار ایک وقت تک ہوتا پھر اس اقتدار کا خاتمہ ہوتا ہی ہے۔

> ”مجھے بتایا گا کہ یہ آدم کے قاتل بیٹے کی سرزمین ہے اور اس کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ کسی کی حکومت تادیر برداشت نہیں کرتی۔“[۵۴]

اسی ایک اور جگہ لکھتی ہیں:

> ”میرے کانوں میں روح زمانہ کی آواز گونجتی ہے “یہ سرزمین قابیل ہے، آدم کے قاتل بیٹے کی بسائی ہوئی شاید اسی لئے اس کی خاصیت ہو چکی ہے کہ تادیر کسی کی

حکومت برداشت نہیں کرتی، جنزل نجیب کو یہ زمین نہ جانے کب تک برداشت
کرے۔"(۵۵)

یہاں پر زاہدہ حنانے قابیل کا تاریخی واقعہ بیان کیا وہاں ساتھ ساتھ "جنزل نجیب" کو بھی تاریخی واقعہ کے طور پر پیش کیا اور اس افسانہ میں یہ بتایا گیا کہ یہ آدم کے قاتل بیٹے کی بسائی ہوئی ہے۔ اس سرزمین میں لہو ٹپک رہا ہے۔ اس لئے اس کی لہو کی پیاس بجھتی ہی نہیں ہے خون کا بیاج طلب کرتی ہوئی یہ دھرتی جنزل نجیب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے گی اور ان کے قاتل طالبان ہوں گئے لیکن بہو کی یہ نشئی سرزمین انہیں بھی کتنا وقت برداشت کرے گی۔ "بہ ہر سور قص بسمل بود" میں ناہید جو ایک اسکالر ہے اور جنوبی ایشیا میں مذہبی اقلیتوں پر ریسرچ کر رہی ہے اس کا ایک ہی بھائی نجیب جو فوٹو گرافر ہے جو کراچی شہر کی خون ریزی کے پس پردہ رازوں کو کیمرے میں محفوظ کر چکا ہے اور جس کا کام کوئی بھی اخبار چھاپنے کو تیار نہیں ہوتا اور اس کی ماں بیٹے کے باہر جانے کی دعائیں مانگ رہی ہے کہ یہ وطن کے اندر محفوظ نہیں ہے۔ اس افسانے میں زاہدہ حنا "سقراط" کے تاریخی واقعہ کو تلمیح کے انداز میں پیش کیا کہ جس طرح "سقراط" کو زہر نہیں دیا جاتا۔ "سقراط" کے دور میں بھی اسی طرح سے بے قصور ہی مارا جاتا ہے مگر صرف مارنے کے انداز بدل گئے ہیں۔

"بی بی ناہید نجف میں آپ کے یہ گوش گزار کر رہا ہوں کہ یہ سقراط کا زمانہ نہیں ہے۔
جب زہر پلایا جاتا تھا، اب ٹی ٹی یا ماؤزر سے اڑایا جاتا ہے، یوزی گن سے جلایا جاتا
ہے۔"(۵۶)

"بود و نبود کا آشوب" میں اس طرح بیان کیا۔

"تب میرے شوہر نے بتایا تھا کہ یہ اس بوڑھے فلسفی کا قید خانہ ہے جس نے زہر کے
پیالے کے انتظار میں یہاں تیس دن اور تیس راتیں گزاری تھیں۔" (۵۷)

یہاں تلمیح محض اشارہ ہے سقراط کا حوالہ علامت ہے دو مختلف افسانوں میں سقراط کا ذکر کیا اور موت کے منظر کو بیان کیا۔ "کُم کُم بہت آرام سے ہے" میں کابل کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور ایک نسوانی کردار کُم کُم

کے ذریعے سے کابل کا تاریخی نقشہ کھینچا گیا اور یہاں پر کابل کی تاریخ کو چنگیز خان کے دور کو تلمیح کے طور پر پیش کیا کہ کس طرح چنگیز خان نے جنگ کے دوران بہت سے لوگوں کی جانیں لیں۔ اس کی دہشت ایک زمانہ تک لوگوں کے دلوں پر طاری رہی کابل کے حالات کو تاریخ کے چنگیز خان سے جا کر ملایا کہ کس طرح چنگیز خان نے اپنے پوتے کے قتل کا بدلہ بامیان کے لوگوں سے لیا اور اس حد تک خطرناک بدلہ لیا کہ بامیان میں انسان تو انسان کوئی جاندار جیتا نہیں چھوڑا۔

"چنگیز خان اور اس جیسے دوسرے بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کا غصہ ان شہروں پر اترتا تھا جو ان کے راستے میں آتے تھے اور ان کی فوجوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتے تھے۔"(۵۸)

"جاگے ہیں خواب میں" بغداد کی تاریخ بیاں کی گئی وہاں پر لوگوں پر ہونے والے ظلم کو اس افسانے میں بیان کیا۔

"یہیں کہیں آتش نمرود دہکائی گئی تھی لیکن آتش نمرود تو ہر زمانے اور ہر زمین میں دہکائی گئی ہے۔۔۔۔ نمرود نے یہ سارا اہتمام اکیلے کیا تھا۔ یہاں تو لاکھوں اور ہزاروں لوگ آتش نمرود کے امریکن ورژن کا ایندھن۔"(۵۹)

"آتش نمرود" کے ذریعے سے اسلامی واقعہ بیان کیا یہ آگ حضرت ابراہیمؑ کو بتوں کی مخالفت اور بتوں کو توڑنے کے الزام میں بطور سزا جلانے کے لئے حکم دیا گیا تھا نمرود کے ہر ماننے والے نے اپنی ہمت کے مطابق اس آگ کے لئے کام کیا۔ آگ جلانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔ لیکن معجزہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ یہاں پر زاہدہ حنا آتش نمرود کا ذکر بغداد کے حوالے سے بیان کرتی ہے کہ نمرود نے تو صرف حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ دہکائی تھی۔ لیکن بغداد میں تو امریکہ نے جو آگ لگائی (دہکائی) ہے وہ پورے بغداد کے لوگوں کے لئے ہے اور لاکھوں لوگ اس دہکائی ہوئی آگ کا ایندھن ہیں۔ "تنہائی کا چاہ بابل" سمیر کی کہانی ہے جو یتیم ہے غریب ہے فلسفی بننا چاہتا ہے اور محبت کر کے بن جاتا ہے

جو لندن چلا جاتا ہے اور وہاں کام کرتا ہے ایک دن ریل کے سفر میں ایک بوڑھے سے بات چیت شروع ہو جاتی ہے۔ سمیر اور بوڑھے کے درمیان مکالمے جو اس کہانی کی جان ہیں مکالموں میں ہزاروں برس کی تاریخ، ظلم و تشدد کی، قتل و خون کی، بزرگ، غائب اور سمیر موجود ہوتا ہے اور اس افسانے میں خواہشوں کا ذکر ملتا ہے۔ خواہش کا کوئی شمار نہیں ہوتا ایک ختم ہوتی ہے تو دوسری شروع ہو جاتی ہے ان خواہش کا ذکر کرتے ہوئے زاہدہ حنا "نبی یونسؑ" کا تاریخی واقعہ ایک جملے میں بیان کر دیتی ہیں۔

> "خواہش کا کوئی شمار نہ تھا وہ جانتا تھا کہ آنکھوں کے سمندر میں خواہش مگرمچھ کی طرح جبڑے کھولے تیرتی ہے اور انسانوں کو نگل جاتی ہے اور وہ نبی یونسؑ تو نہ تھا جسے مچھلی نے نگلا تھا اور پھر اگل بھی دیا تھا۔"(۶۰)

حضرت یونسؑ کو مچھلی نے نگل لیا اور آپ مچھلی کے پیٹ میں جہاں بالکل اندھیرا تھا آپ وہاں مقید ہو گئے۔ اس دوران آپ نے خدا سے توبہ کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اندھیری کوٹھڑی سے نجات دی اور مچھلی نے آپ کو کنارے پر آکر اگل دیا۔ "نیند کا زرد لباس" افغانستان سے جان بچا کر کٹے پھٹے معذور اور زخمی مہاجرین جو پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔ ان پر حملہ کر دیا جاتا ہے یہ افسانہ ان کے حالات پر مشتمل ہے۔

> "کارِ رواں تو ابھی کچھ دور ہی گیا ہو گا بمباری طیاروں کی گڑگڑاہٹ، میزائلوں کی سنسناہٹ، ابابیلیں پھر آ پہنچی تھیں لیکن وہ ہمارے یہاں کسی ابرہہ کے لشکر کے لئے نہیں آتی تھیں وہ تو لشکر ابرہہ کا حصہ تھیں۔"(۶۱)

یہاں پر پروین کے ذریعے ابرہہ کے لشکر کو تلمیح بنا کر پیش کیا۔ ابرہہ نے مکہ پر حملہ کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ کا قہر ان پر نازل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ ان پر نازل ہوئے اور ابرہہ کے لشکر پر سنگ ریزے گرانا شروع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ عذاب نازل ہوا۔ یہ سنگ ریزے کے ذریعے سے ابرہہ کے لشکر کو ان کے عذاب تک پہنچایا۔ پروین نے اس ابابیلیں کا ذکر کیا جس نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کیا

تھا۔ یہ امریکہ کی طرف سے ان پر پھینکے گئے بم تھے ان بم کے ذریعے سے ان کی تباہی بھی ابرہہ کے لشکر سی ہو گئی۔ ''معدوم ابن معدوم'' میں تقسیم کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ جب پاکستان اور بھارت الگ ہوئے تھے اور بہت سے مسلمان بھارت میں ہی رہ گئے اور وہ وہاں کو ہی اپنا ملک تسلیم کرنے لگے۔ اس افسانے کرنل معصوم کا کردار ہے۔ جو بھارت چھوڑنے پر راضی نہیں ہوئے مگر ان کا بیٹا پھوپھی کے گھر پاکستان سے شادی کرتا ہے اور پاکستان میں ہی رہنا شروع ہو جاتا ہے اس کی یہ بات کرنل معصوم کو پسند نہیں آتی جس کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے سے سخت ناراض ہو جاتے ہیں۔

> ''بیٹے کا خط باپ نے پڑھا تو دل میں ہوک سی اٹھی جی چاہا کہ ایک خط لکھیں جس میں اسے یاد دلائیں کہ دیمک تو عصائے سلیمانی میں لگ گئی تھی پھر ہم کیا اور ہمارا گھر کیا۔''(۶۲)

دیمک نے جس طرح حضرت سلیمانؑ کے عصائے کو ختم کیا اسی طرح یہ گھروں کو ختم کرتی جارہی ہے اس کے ساتھ دیمک کو علامت ہی بنا کر پیش کیا کہ دیمک جس طرح لکڑی کو ختم کرتی ہے۔ انسان بھی بے بس ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ نسلوں کو بھی چاٹ گئی ہے۔ ''منزل ہے کہاں تیری'' میں بھی ہجرت کا حال بیان کیا ہے ہندو مسلم حالات پر یہ افسانہ لکھا گیا۔ بہت سے لوگ تقسیم کے بعد بھی اپنا ملک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ان کے نزدیک ان کے آباؤاجداد کی جائدادیں بہت اہمیت رکھتی ہیں اور ان کے والدین اسی سرزمین میں پیدا ہوئے اور اسی میں مرے بھی اس لئے ملک تقسیم ہو جائے مگر وہ اپنی جگہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ایسا ہی ایک کردار اس افسانے میں بیان کیا گیا جو پاکستان چھوڑنے پر تیار نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ پاکستان میں ہی رہنے لگتا ہے۔

> ''ایک بات یاد رکھنا، بادشاہ اکبر کا بیٹا ہی نہیں ہر عہد کا سلیم منافق اور خود غرض ہوا ہے اور اس کی خود غرضی کی قیمت ہر زمانے کی انار کلی نے چکائی ہے۔''(۶۳)

اسی طرح ''رانا سلیم سنگھ'' میں بھی یوں بیان کیا ہے۔

"سمجھیں کہ واقعی ان کے گھر میں شہزادہ سلیم پیدا ہو گیا ہے پیچھے صاحب وہ ہمیں شیخو پکارنے لگیں سو آج تک ہم گھر میں اور دوستوں میں شیخو ہیں اس دائرے سے باہر نکلیں تو سلیم ہیں۔" (۶۴)

سلیم کا ذکر تاریخ حوالے سے کیا گیا دو مختلف افسانوں میں انہوں نے اکبر کے بیٹے کو تلمیح کے زمرے میں پیش کیا کہ ہر دور میں سلیم جیسے مرد پیدا ہوتے ہیں۔ جو انار کلی سے بے وفائی کرتے ہیں۔ یہ ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں جس طرح سلیم نے انار کلی سے بے وفائی کی اور وہ دیورار میں چنوائی گئی سزا کے طور پر اور سلیم نے مہر النساء سے شادی کر لی۔"ابن ایوب کا خواب" اس کہانی میں کم و بیش وہ سارے مقامات غم و آزمائش جدید حسیت اور منظر نامے کے ساتھ آتے ہیں جن سے آج ہزاروں سال پہلے حضرت ایوب گزر چکے تھے۔ حضرت ایوب کے قصے میں ان کی بیوی کی طرف سے ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ آزمائش کے مرحلے میں وہ پوری نہیں اترتی اور اس بد گمانی کے لئے شیطان مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے اور وہ شیطان کے دھوکے میں آجاتی ہیں۔ لیکن ابن ایوب کے خواب کی عورت ناساز گار حالات میں بھی اپنی وفا پر قائم رہتی ہے۔ زاہدہ حنا کا یہ افسانہ نام کے مطابق "ایوب" بھی "حضرت ایوبؑ" کے واقع سے جاملتا ہے مگر زاہدہ حنا نے اس افسانے میں فرضی کہانی کو پیش کیا۔

"مصر کے بازار میں یعقوبؑ کا بیٹا یوسفؑ سوت کے چند گولوں کے عوض بکا تھا اور اس دن آفندی ڈیمک نے ابن ایوب کو بن داموں خرید لیا۔"(۶۵)

یہاں پر ابن ایوب کی فرضی کہانی بیان کرتے ہوئے یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ کا ذکر تلمیح کے انداز میں بیان کرتی ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یوسف کو کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مصر کے بازار میں کچھ داموں پر بکے تھے۔ اس تاریخی واقعہ کو زاہدہ حنا نے ابن ایوب کے کردار سے ملایا کہ حضرت یوسفؑ کو تو دام لے کر بیچا گیا مگر ابن ایوب کو بغیر داموں کے خرید لیا گیا اور اس سے کام کروایا گیا۔"زمین آگ کی، آسماں آگ کا" معاشرے میں ہونے والی عورتوں پر ناانصافی کا ذکر ملتا ہے کس طرح جو

اسلام میں قوانین عورتوں کے بارے میں بیان ہوئے ہیں جو ان کو اپنے حق میں صحیح لگتے تھے وہ قائم کرتے تھے اور جو نہیں ان کو نہیں مانتے تھے۔

> ''کیوں چپ ہو جاؤں؟ تمہارا شرعی حق مارا گیا ہے۔ اہل ہنود کی حکومت ہے، جو چاہتی ہے سووہ کرتی ہے۔ نہ اسلامی قاعدوں پر عمل ہوتا ہے، نہ قانون پر۔'' (۶۶)

''رنگ تمام خوں شدہ'' میں اعلیٰ مقام پر فائز لوگوں پر طنز کرتی ہیں۔ حاکم کس طرح مظلوم پر ظلم کرتے ہیں۔

> ''مغرور حاکموں، اور مظلوم محکوموں کی یہ کہانی کتنی قدیم تھی۔ ہر استبدادی شہر کوفہ تھا کہ مغرور حاکم ابن زیاد تھا۔ عہد بہ عہد کہانی کا لوکیل، اس کے کرداروں کے نام، ان کی قومیتیں اور ان عقیدے بدل جاتے تھے۔''(۶۷)

اس افسانے میں زاہدہ حنا موجودہ صورت حال کو تاریخ کے ان دور میں لے جاتی ہیں۔ جو اسلام کی ایک اہم تاریخ ہے جب ابن زیاد کو کوفے کا گورنر بنا دیا تو اس نے بہت سے مظلوموں کی جان لی۔ ابن زیاد ایک مغرور حاکم تھا جس کے حکم سے ''امام حسینؑ'' کی شہادت کے بعد سر کاٹ کر یزید کو روانہ کیا۔ زاہدہ حنا اس تاریخی واقعہ کو آج کے دور سے ملاتی ہیں کہ ایک وہ دور تھا جب حاکم محکوم پر ظلم کرتے تھے اور یہ عہد بہ عہد یہ ظلم چلتا آیا ہے اور آج بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ امیر اور عہدے پر فائز افسر اپنے سے نیچے عوام کے ساتھ یہی رویہ رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فوزیہ اسلم، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۲۳

۲۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا، پندرھواں ایڈیشن،، جلد ۹، طبع ۱۹۷۴ء، ص ۶۳۱

۳۔ مولوی نور حسن میر، نور اللغات (جلد اول)، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۱

۴۔ فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۴۸

۵۔ فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۹۱

۶۔ جامع اللغات، جلد اول، جامع اللغات کمپنی، لاہور، س۔ن، ص ۱۹۷

۷۔ رشید امجد، ڈاکٹر، رویے اور شناختیں، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۹

۸۔ عابد علی عابد، سید، اسلوب، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۶ء، ص ۵۱

۹۔ وقار عظیم سید، کہانی اور حسن بیان، مشمولہ فن اور فنکار، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۳۴

۱۰۔ عبارت بریلوی، ڈاکٹر، اردو کے اسالیب تنقید، مشمولہ تنقیدی تجربے، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۵۰

۱۱۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، ناول کیا ہے، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۶۴ء، ص ۲۵۳

۱۲۔ زاہدہ حنا، تقدیر کی زندانی، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۹

۱۳۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۶۶

۱۴۔ زاہدہ حنا، ناکجا آباد، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۸

۱۵۔ زاہدہ حنا، ناکجا آباد، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵

۱۶۔ زاہدہ حنا، پانیوں میں سراب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹۷

۱۷۔ زاہدہ حنا، بو دو نبوہ کا آشوب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۳۸

۱۸۔ زاہدہ حنا، ناکجا آباد، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۸

۱۹۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۸۹

۲۰۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سور قص بسمل بود، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۵۵

۲۱۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۸۵

۲۲۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۵۸

۲۳۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۰۸

۲۴۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۳۸

۲۵۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشات تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص۳۶

۲۶۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۷ء، ص۱۰۷

۲۷۔ زاہدہ حنا، زرد ہوائیں، زرد آوازیں، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۲۱

۲۸۔ زاہدہ حنا، زرد ہوائیں، زرد آوازیں، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۲۹

۲۹۔ زاہدہ حنا، بو دو نبوہ کا آشوب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۳۸

۳۰۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسمان آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۷ء، ص۱۸۶

۳۱۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۵۹

۳۲۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۹

۳۳۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۵

۳۴۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹۷

۳۵۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵

۳۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات (توضیحی لغت)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، بحوالہ Spring of Creativity, Heiz Westman P:35, ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۹

۳۷۔ فیروز اللغات (جامع) اردو، چھٹا ایڈیشن، مرتبہ الحاج فیروز الدین، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۸۱۲

۳۸۔ فرہنگ آصفیہ، (جلد دوم)، سید احمد دہلوی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۹

۳۹۔ عارف عبد المتین، امکانات، ٹیکنیکل پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۳۴

۴۰۔ جابر علی، سید، اصطلاحات کا پس منظر، مشمولہ: صحیفہ، لاہور، شمارہ ۲۹، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۲۵

۴۱۔ زاہدہ حنا، آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۶

۴۲۔ زاہدہ حنا، نا کجا آباد، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳

۴۳۔ زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۲۵

۴۴۔ زاہدہ حنا، جسم و زبان کی موت سے پہلے، مشمولہ در تتلیاں ڈھوندنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۲۸

۴۵۔ زاہدہ حنا، نیند کا زر د لباس، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۴

۴۶۔ زاہدہ حنا، رنگ تمام خون شدہ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۶۲

۴۷۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۵

۴۸۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۸

۴۹۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۴۳

۵۰۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰۸

۵۱۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۳

۵۲۔ زاہدہ حنا، رنگ تمام خون شدہ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۹

۵۳۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۴۸

۵۴۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۷۶

۵۵۔ زاہدہ حنا، رقص مقابر، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۱

۵۶۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سو رقص بسمل بود، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹۹

۵۷۔ زاہدہ حنا، بود و نبود کا آشوب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۳

۵۸۔ زاہدہ حنا، گُم گُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۴

۵۹۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۵

۶۰۔ زاہدہ حنا، تنہائی کا چاہ بابل، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۹۱

۶۱۔ زاہدہ حنا، نیند کا زر د لباس، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۲

۶۲۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۴۵

۶۳۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۲

۶۴۔ زاہدہ حنا، رانا سلیم سنگھ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۲۳

۶۵۔ زاہدہ حنا، ابن ایوب کا خواب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۴۴

۶۶۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسمان آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۹

۶۷۔ زاہدہ حنا، رنگ تمام خون شدہ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۸

باب چہارم:

زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کا فنی جائزہ

الف۔ پلاٹ:

کسی بھی تحریر کی خوبصورتی کا انحصار واقعات کی ترتیب پر ہوتی ہے۔ واقعات کو منطقی ربط سے جوڑنا تکنیک کی اصطلاح میں پلاٹ کہلاتا ہے۔ ہر کہانی میں واقعات کی ترتیب کو دیکھا جاتا ہے۔ تحریر میں جس قدر ترتیب کی جائے گئی واقعات کی تحریر بھی اسی قدر خوبصورت ہو گی۔ قصے اور کہانی کے مختلف حصوں میں جتنا زیادہ ربط پایا جائے گا تحریر اس قدر مؤثر اور جانبدار ہو گی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریر کا مرکز اس کا پلاٹ ہوتا ہے۔

بقول ابو الکلام قاسمی:

> ”ہم نے کہانی کی تشریح یوں کی ہے کہ یہ زمانی تسلسل کے مطابق ترتیب دیئے ہوئے واقعات کا بیان ہے۔ پلاٹ بھی واقعات ہی کا بیان ہے مگر اس میں اسباب و علیل پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔“(۱)

پلاٹ کی بہت سی اقسام ہیں۔ مثال کے طور پر منظم اور غیر منظم پلاٹ جزئیات اور واقعات کی ترتیب کا نام ہے ۔ پلاٹ کو ہم ایک مثال کے طور پر جسم کی خوبصورتی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس طرح جسم کی خوبصورتی نگاہوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس طرح پلاٹ کو بھی افسانے کا جسم کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح افسانے میں پلاٹ میں خوبصورتی پائی جائے گی قاری کی توجہ اپنی جانب سے ہٹنے نہیں دے گی۔

سید عابد علی عابد کی رائے کے مطابق:

"جس طرح پلاٹ کرنا (انگریزی میں) سازش کرنا ہی ہے اسی طرح کہانی کے واقعات یوں ترتیب دینا کہ وہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ معلوم ہوں اصطلاحی معنوں میں پلاٹ ہے۔"[۲]

پلاٹ تیار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس میں کسی قسم کا خلا موجود نہ ہو۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں پلاٹ ایک مربوط درجہ رکھتے ہیں۔ جس میں کرداروں کا آپس میں ربط دکھائی دیتا ہے۔ واقعات کی ترتیب کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا "نیند کا زرد لباس" میں پلاٹ ایک مربوط درجہ رکھتا ہے۔ جس میں انہوں نے کرداروں کے درمیان ربط بھی قائم کیا ہے اور واقعات کو بھی اپنی مہارت کے ساتھ ترتیب وار پیش کیا ہے۔ ایک واقعے کا دوسرے واقعے کے ساتھ ایک ربط قائم ہو گیا۔ پہلے واقعہ میں ایک لڑکی کی کہانی جو زیادہ پڑھنا چاہتی ہے۔ مگر لوگوں کی وجہ سے آگے نہیں پڑھ پاتی اور دوسرا واقعہ ایک افغانی بچی پروین کا ہے اور یہاں پر نو تاریخیت سامنے آتی ہے اور تاریخ میں موجود، سماج اور سیاست کو بیان کیا۔ پروین جس کو ایک جگہ ہی رہنا نہیں دیا جاتا اور جس کے گھر میں سے ایک بھائی پہلے ہی دھماکوں کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ ان کو ایک جگہ آرام سے نہیں رہنے دینے آخر کار ہجرت کرتے ہوئے امریکی حملوں کی وجہ سے اس کی جان بھی چلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پروین کے خط کو پورے واقعے کے ساتھ مربوط کیا۔

"ہم افغان بچے بھی اجنبی بستیوں میں بھوکے پیاسے پھر رہے ہیں۔ ہم در بہ در ہیں۔ ہمیں باجوڑ پناہ ملی تھی اب عید کے دوسرے دن ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم باجوڑ خالی کر دیں۔ ہم یہاں سے چلے جائیں۔ آپ ہی بتائیں کہ بموں اور گولوں کی برسات میں ہم کہاں جائیں؟ تقدیر کے تیر سے پناہ ہمیں کہیں نہیں ملتی۔"[۳]

اس میں زاہدہ حنا نے فرضی کرداروں کے ذریعے سے افغانستان میں ہونے والی تباہی کو نو تاریخیت کے ذریعے سے پیش کیا اور ہجرت کرنے والوں کے دکھ کو بیان کیا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھی ہجرت کر کے

چلے جائیں مگر ان کے لئے امن کمیٹی نہیں ہے۔ پروین کے خط کے ذریعے سے زاہدہ حنا ماضی کے حالات کے ذریعے سے مستقبل کو سنوانے کی ترغیب دی کہ پروین کے خط کے ذریعے سے کہ جب بھی کسی پر ظلم کیا جائے تو پہلے اپنوں کے بارے میں سوچا جائے۔ زاہدہ حنا نے ایک کردار کو دوسرے کردار اور ایک واقعے کو دوسرے واقعے مربوط بنا کر پیش کیا۔ "کُم کُم بہت آرام سے ہے" کا پلاٹ سادہ ہے اور کُم کُم کے ذریعے سے خط جو اس کی دادی ماں کو بھیجا جارہا ہے۔ اس میں مختلف واقعات کو ترتیب کے ساتھ زاہدہ حنا نے پیش کیا ہے۔ کُم کُم جو کابل میں امریکی جہازوں سے بم گرائے جاتے تھے۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کبھی وہ اس واقعہ کو چنگیز خان کی تاریخ سے جاملاتی ہے اور کبھی وہ دشت لیلیٰ کا ذکر کرتی ہے مگر کُم کُم کے ذریعے سے اس کہانی میں مختلف تاریخی واقع کو بیان کیا لیکن پلاٹ میں زاہدہ حنا نے ذرا سی بھی بے ترتیبی نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنی تخلیقی قوت کے ذریعے سے کابل کی تاریخ میں چنگیز خان کو بھی شامل کیا۔

> "برسوں پہلے جب طالبان نے اس علاقے کو فتح کیا تو یہاں کے لوگوں کا قتل عام کیا اور پھر اسے چھپانے کے لئے Mass Graves میں دفن کیا، اب وقت ان کے لئے لٹو کی طرح گھوم گیا ہے تو ان کا بستر بھی "دشت لیلیٰ" کی خندقوں میں لگا۔"(۴)

زاہدہ حنا اپنے افسانے میں پلاٹ سادہ اور سپاٹ رکھا۔ تاریخی واقعات تو ترتیب کے ساتھ آگے بڑھایا اس لئے ان کے افسانے "کُم کُم آرام بہت آرام سے ہے" میں اس کا پلاٹ مربوط ہے۔ "جل ہے سارا جال" عورتوں کی بے بسی پر لکھا گیا افسانہ ہے جس میں تمکنت اس کی بیٹی ارم اور تمکنت کی دوست کا کردار ہے۔ اس افسانے میں دو طرح کے واقعات کو بیان کیا ایک تمکنت جو ایکوزیم کی شوقین ہوتی ہے اور اپنے گھر میں ایک ایکوریم رکھا ہوتا ہے جس میں Achilies Tang جیسے مچھلی رکھی گئی تھی اور دوسرا واقعہ تمکنت کی بیٹی ارم کا ہے جو عرب کے ایک شہزادے (ولی عہد) کو پسند آجاتی ہے اور تمکنت اور اس کا شوہر اس کی شادی کروادیتے ہیں۔ اس دونوں واقعے کو زاہدہ حنا کے بڑے منظم اور مربوط انداز کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی عربوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مرد عورت کو بھی کھیتی تصور کرنا بیان کیا ہے۔

"کھیتیاں جب مرتی ہیں تو ان کی موت کی تفصیل اخباروں میں نہیں آتی، میری ارم بھی تو محض کھیتی تھی۔"(۵)

ب۔ کردار:

ادب اور کہانی کا رشتہ قدیم زمانے ہی سے قائم ہے کہانی روز مرہ واقعات پر مشتمل ہوتی ہے اور ان واقعات کی تکمیل کے لئے کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہانی کے کردار ہی قاری کو اپنی طرف متوجہ کرواتے ہیں۔ اس لئے افسانے میں بھی کردار اہمیت کے حامل ہیں۔ افسانہ نگار اپنی کہانی کو پیش کرنے کے لئے جن نفوس کو استعمال کرتا ہے انہیں کردار کہتے ہیں۔ کردار کا لفظ عام زندگی میں کسی فرد کے عمومی رویے یا عادات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ "مختصر اردو لغت" میں کردار کے لغوی معنی درجہ ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

"کام، شغل، فعل، چلن، خصلت، عادت وغیرہ۔"(۶)

جبکہ اصطلاح میں کردار ان نفوس کو کہتے ہیں جو افسانے میں چلتے پھرتے نظر آتی ہیں۔ کردار وہ شخصیات ہیں جن کے گرد کہانی گھومتی ہے۔ "کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں کردار کی تعریف اس طرح کی گئی۔

"کہانی کے واقعات جن افراد قصہ کو پیش آتے ہیں۔ انہیں اصطلاح میں کردار کہا جاتا ہے۔"(۷)

ایک تخلیق کار کردار کا انتخاب ایک خاص طبقے سے کرتا ہے۔ کرداروں کی تعمیر و تشکیل کے دوران ان کی زبان، لہجے، طبقے کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کردار کا تعلق جس خاص طبقے سے ہو گا تو اس طرح کردار کا لباس، چال چلن، بات کرنے کا طریقہ، الفاظ کا چناؤ بھی اس طبقے کی سماجی زندگی کے قریب ہو گا تا کہ قاری آسانی سے کہانی کے ساتھ اور ایک مخصوص عہد کے ساتھ سفر کر سکے جہاں ناول، داستان میں کرداروں کو اہمیت دی جاتی ہے اسی طرح افسانے کے اندر بھی کردار پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ افسانے میں کردار زیادہ مہارت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ چوں کہ افسانے کا موضوع زندگی کے کسی خاص موضوع سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے کردار بھی اسی پہلو کے حوالے سے سامنے آتے ہیں۔ کردار نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر سنبل نگار لکھتی ہیں۔

"کردار افسانے کے لئے بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح ناول کے لئے لیکن افسانے کا پیمانہ مختصر ہونے کے سبب افسانہ نگار کی دشواریاں زیادہ ہے۔ ناول نگار کو مختلف زاویوں سے کردار پر روشنی ڈالنے اور اسے اجاگر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جب کہ افسانہ نگار کردار کا کوئی ایک پہلو کامیابی کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔ افسانہ نگار کو بڑی محنت کر کے کردار کو اس طرح تراشنا پڑتا ہے کہ وہ قاری کے دل میں گھر کر سکے۔"(۸)

افسانے میں کردار ہماری زندگی اور معاشرے سے اخذ کئے جاتے ہیں جس طرح معاشرے میں موجود افراد مختلف رویوں کے حامل ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں موجود مشکلات تو وہ مختلف انداز سے رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح افسانے میں بھی کردار اپنے حالات کو بدلنے کے لئے مختلف طریقے استعمال میں لاتے ہیں۔ زاہدہ حنا نے بھی اپنے افسانوں میں موجود کرداروں کو ان کے عہد کے ساتھ پیش کیا۔ کردار سماج کا ایک آئینہ کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں تخلیق کار سماج کی ظاہری اور پوشیدہ حقیقت کو حسن وخوبی کے ذریعے عیاں کر رہا ہوتا ہے۔ زاہدہ حنا نے بھی اپنے کرداروں کو نو تاریخیت کے ذریعے سے مستقبل میں پیش کیا۔ ان کے کردار بھی مختلف سماج کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے کرداروں کی مدد سے نہ صرف ماضی سے واقفیت ہوئی بلکہ حال میں موجود مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی میں پیش آنے والی مشکلاتوں، ہجرتوں، مسافتوں کے لئے جذباتی اور فکری طور پر تیار بھی ہوتا ہے۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں کردار:

"پانیوں پر بہتی پناہ" کندن حسین ایک مرکزی کردار جو اس پوری کہانی پر حاوی ہے اس کردار کے ذریعے سے لکھنے والی عورت کا دکھ اور آشوب بیان کیا گیا ہے کہ جب کندن حسن نے سماج کے بارے میں کھل کر لکھا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لکھا تو لوگ اس کے دشمن بن گئے۔ وہ لوگوں سے اس قدر خوف میں مبتلا رہتی کہ اسے ہر وقت ہی ڈر لگا رہتا تھا کہ اس کو کوئی پہچان نہ لے کیونکہ معاشرے میں قتل کا فتویٰ دیتے ہوئے اس کے سر کی قیمت دو لاکھ ٹکا لگائی گئی تھی۔

"کتنی مرتبہ اس نے پلٹ کر گھر جانا چاہا تھا، وہ اپنا مقدمہ لڑنا چاہتی تھی، کسی شہر میں اینٹ اور گارے سے بنے ہوئے مکان میں رہنا چاہتی تھی لیکن ہر بار کسی نہ کسی کونے سے اس کے دشمن نکل کر سامنے آ گئے تھے اور الزام و اتہام کے تیروں کی باڑھیں تھیں۔ تب ہی اسے پلٹ کر اس ناؤ میں آنا پڑا تھا۔ جو اس کے لئے پانی پر بہتی پناہ تھی۔"(۹)

اس خوف اور دہشت کے سبب وہ اپنے گھر نہیں جا سکتی اپنی نیند سے محروم ہے اور کچھ لکھنے کے لئے بے تاب ہے مگر خوف کی وجہ سے وہ لکھ نہیں پا رہی خوف اور دہشت کا سماں ایسا تھا جیسے خون کی جگہ خوف اور دہشت اس کی رگوں میں بیٹھ گیا ہو۔ زاہدہ حنا کندن حسین جیسے مرکزی کردار کے ذریعے سے خواتین کا آشوب کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں۔

"خوف اور اندیشوں اور وسوسوں کا سیاہ جال پھیلائے ان خوابوں کو شکار کرتا رہتا تھا ان دنوں اکثر اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس کہانی کا کردار بن گئی خوف اس کے خوابوں کو نگل رہا ہے۔"(۱۰)

اس افسانے میں رحیم چاچا کا کردار جو مخلص ہے اور کندن حسین کی جان بچانے کی پوری کوشش میں لگا ہے۔ اس نے اپنی زندگی کی پرواہ کرنے کی بجائے کندن حسین کی جان کی پرواہ کی۔ زاہدہ حنا نے تاریخ کو بیان کیا کہ یہ ہر دور میں ہوتا چلا آیا ہے۔ جہاں کئی ظلم ہوتا ہے وہاں پر بھی کچھ رحم دل لوگ موجود ہوتے ہیں جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح رحیم چچا کا کردار ایک ضمنی کردار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔

"کیسی لکھنے والی ہو کہ "مردہ باد۔۔۔۔ مردہ باد ڈر گئیں بھٹے سے بچنا چاہتی ہو تو لکھو اور خوب لکھو" رحیم چاچا کے لہجے میں غصہ تھا، جھنجھلاہٹ تھی۔"(۱۱)

آج کے دور میں بھی جب کسی پر کوئی بات کی جاتی ہے تو ہزاروں لوگ ان کے ساتھ مل جاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ بات اصل میں کیا ہے اور جو بات کی گئی کس انداز میں کی گئی ہے۔ زہادہ حنا معاشرے میں موجود اس خرابی کو بیان کرتی ہے کہ تاریخ میں بھی عورتوں کے ساتھ اسی طرح کا رویہ رکھا گیا تھا اور آج کے دور میں بھی ایسا ہوتا ہے ہمیں آنے والے مستقبل میں اس خرابی سے سیکھ کر مستقبل کو بہتر بنانا ہے۔

"اور تب اس لمحے میں نے جانا کہ انسان کیسے عذاب میں مبتلا ہے اور ناکردہ گناہوں کی سزا پاتا ہے اور اس سزا اور عذاب کا خاتمہ نہیں ہے۔"(۱۲)

"ایڈگر کوہن" ایسا کردار جو اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہے مگر اس کو ایک ایسی جنگ میں بھیج دیا جاتا ہے جو اس کی اپنی بھی نہیں اور جس جنگ میں وہ اپنی جان بھی دے دیتا ہے۔ زاہدہ حنا اس کردار کے ذریعے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ انسان چاہے کسی بھی مذہب یا معاشرے سے تعلق رکھتا ہو اسے کہیں امان نہیں۔ "ایڈگر" کے کردار کو ایک فرضی کردار بنا کر نو تاریخیت کے زمرے میں پیش کیا۔ اس کہانی کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آج کے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب کسی ملک میں جنگ جاری ہو تو وہاں بھی کسی کی مرضی پوچھے بغیر اس کو بھرتی کر دیا جاتا ہے اور اس کو جنگ میں بھیج دیا جاتا ہے۔ "معدوم ابن معدوم" ہجرت پر مبنی کہانی ہے "کرنل معصوم حسین" جو ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے کے لئے تیار نہیں جنھوں نے آزادی وطن کی خاطر لال قلعہ کی قید کاٹی اور جب پاکستان آزاد ہو گیا تو وہ ہجرت کو ناپسند کرتے تھے اور وہ ان لوگوں پر ہنستے تھے جو ہجرت کر کے پاکستان آئے لیکن جب ان کا بیٹا پاکستان میں اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کر کے ہمیشہ کے لئے کراچی منتقل ہو جاتا ہے۔ کرنل معصوم نے بیٹے کے دیئے اس درد کو سہا لیا لیکن وہ اپنی جگہ سے جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

"ہر رات سونے سے پہلے ہی خیال انہیں ستاتا تھا کہ ان کے کسی حریف نے نہیں، خود ان کے اپنے خون نے انہیں شکست دی تھی۔"(۱۳)

زاہدہ حنا کرنل معصوم حسین کے کردار کے ذریعے سے تاریخ کو موجودہ دور کے ساتھ ملاتی ہیں کہ اس دور میں بھی کسی کو بھی دہشت گرد بنا کر قتل کر دیا جاتا تھا اور آج کے دور میں بھی یہی حالات ہیں۔ کرنل معصوم حسین کا پوتا پولیس کے ہاتھوں پاکستان میں بے گانہ مارا جاتا ہے اور اسے کس طرح راء کا ایجنٹ ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

''لیمپ کی زرد روشنی میں انہوں نے دوبارہ اس سطر کو پڑھا، پھر وہ جن کی آنکھوں سے جعفر کے پاکستان چلے جانے پر ایک آنسو نہیں ٹپکا تھا، جنہوں نے علی اکبر کے جانے کی پر چھی کھا کر بھی ضبط کر کے یہ کہا تھا۔''(۱۴)

زاہدہ حنا تاریخی دور کو موجودہ دور کے حالات سے بیان کیا۔ انہوں نے نو تاریخیت کے ذریعے سے کراچی کا آشوب بیان کیا ہے۔ اس دور میں بھی بے گناہ لوگوں کو مار دیا جاتا تھا اور آج کے دور میں بھی یہی صورت حال ہے پولیس کی غلطی کی وجہ سے بے قصور کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے پولیس کی غفلت کی وجہ سے جان تو جاتی ہے مگر اس پر الزام میں لگا دیا جاتا ہے تاکہ پولیس پر کوئی بات نہ آسکے۔ ''منزل ہے کہاں تیری'' کہانی میں بھی ہجرت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کہانی کے اہم کردار ''اوشا کے پتا'' ہیں جو ہجرت کے بعد بھی پاکستان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور پاکستان میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں اور ہر حالت میں ملک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ''اوشا'' ان کی بیٹی بھی جو ہجرت کے وقت ملی تھی اور وہ کسی اور کی اولاد کو اپنی بیٹی بنا کر پالا۔ وہ گھڑیوں کو ٹھیک کرنے کے کام کرتا تھا اور اپنے باپ دادا کی زمین چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

''وہ اوشا کو کندھے سے لگائے ہوئے آبائی گھر پر آخری نظر ڈال کر وہاں سے چلے آئے تھے پر فٹ پاتھ پر ہر پیڑ کے نیچے مہاجرین کا بسیرا تھا۔ راتوں رات جھگیاں اُگ رہی تھیں۔ ایک پیڑ کے سائے میں وہ پڑ رہے۔''(۱۵)

جب بھارت میں مسجد کو شہید کیا گیا تو پاکستان میں لوگ غصہ میں آ گیا اور پاکستان میں موجود ہندوؤں کو قتل کرنے نکلے تو اس طرح اوشا کے پتا کو بھی قتل کر دیا گیا۔ زاہدہ حنا نو تاریخیت کے ذریعے ملک کے حالات کو بیان کرتی ہیں کہ ہجرت کے وقت میں بھی یہی حال تھا اور آج بھی اسی طرح ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ جب ایک ملک میں کسی وجہ سے حالات خراب ہوتے ہیں تو دوسرے ملک بھی اسی ضد میں آجاتا ہے اور بہت سے بے بس اور بے قصور لوگوں کی جان لے لی جاتی ہے۔ ''کُم کُم بہت آرام سے ہے'' میں افغانستان پر امریکہ کی نازل کی گئی تباہی ''کُم کُم'' کے کردار کے ذریعے سے خط میں دادی اماں کو لکھ کر بھیج رہی ہے اور وہاں کے حالات کو وہ ایک خط کے ذریعے سے اپنے گھر تک پہنچاتی ہے۔ وہ افغانستان کے حالات کا تجزیہ تاریخی پس منظر پیش کرتی ہے۔

> ''چنگیز خان اور اس جیسے دوسرے باشاہوں، راجاؤں، مہاراجوں کا غصہ ان شہروں پر اترتا جو ان کے رستے میں آتے تھے اور ان کی فوجوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتے لیکن دادی اماں امریکہ کا غصہ تو قندھار سے قندوز، دھرتی میں بارودی سرنگیں یوں بوئی گئی ہیں جیسے کھیت میں بیج چھڑکے گئے ہوں۔''(۱۶)

افغانستان میں ہونے والے امریکہ حملہ کو کُم کُم کے ذریعے سے چنگیز خان کی تاریخ سے ملاتی ہیں کہ اس وقت ایک جگہ سے دوسری جا کر حملہ کیا جاتا تھا۔ مگر آج کے دور میں ایسا نہیں ہے۔ آج بارودی سرنگیں بوئی جاتی ہیں۔ جن کا نوالہ ہر کوئی بنتا ہے اور جو لوگ مارے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ ان پر خوش ہوتے ہیں ان کو خوش نصیب سمجھتے ہیں ورنہ کوئی ایک ہاتھ کھو چکا ہے۔ کسی کے دونوں ہاتھ نہیں تو کسی کے دونوں پیر نہیں ہیں۔ زاہدہ حنا تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ اگر ایک ملک کے ایسے حالات ہوں تو اس ملک میں پیدا ہونے والی عوام کے اندر بھی ایسی ہی نفرت ہو گئی اور جو زمین بارود کی کثرت سے فصل اگانے کے قابل نہیں رہی لیکن سروں کی فصل کٹانے کو طالبان دھڑا دھڑ پیدا ہو رہے ہیں۔ جن کے اندر انتقامی جذبہ پایا جاتا ہے۔ ''جاگے ہیں خواب میں'' میں ایک ایسا ہی کردار بیان کیا گیا جو جرنلسٹ ہے۔ ''لالہ'' جو صحافی

ہے اور اسے بغداد بھیجا گیا تھا۔ جب وہ بغداد سے واپس آتی ہے تو اس کی حالت خراب ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ ذہنی طور پر زخمی ہو چکی ہے کیونکہ بغداد تنور بن چکا ہے۔ یہاں زاہدہ حنا تاریخ کو بیان کرتے ہوئے فرضی کرداروں کو پیش کرتی ہیں۔ بغداد کے حالات کو دیکھ دیکھ کر وہ خواب میں بھی ڈرتی ہے۔ ''لالہ'' کے ذریعے سے وہ بغداد کے لوگوں کی حالات کو بیان کرتی ہیں کہ جب وہ سونے کے لئے بستر پر جاتی ہے تو لوگوں کی چینخیں، خون کی بساند اور پیڑوں سے چپک جانے والے انسانی بدن کے چیتھڑے اس کا تعاقت کرنے لگتے ہیں۔

''ہاں وہ حملے کی ساتویں رات تھی سوزان اور وہ پیچھے رہ گئی تھیں اچانک فضا اس سنسناہٹ سے بھر گئی تھی۔ جو بمبار طیاروں کی آمد کا نشان دیتی ہے۔ سوزاں جو اس سے دو قدم آگے تھی۔ اس نے پلیٹ کر دیکھا تھا اور بھاگنے کے لئے کہا تھا۔''(۱۷)

''تنہائی کا چاہ بابل'' ایک نوجوان لڑکے سمیر کی کہانی ہے جو ستاروں پر یقین رکھتا ہے۔ فلسفی بننا چاہتا تھا مگر عربی کا استاد بن جاتا ہے پر ایک وظیفہ سے وہ برطانیہ آجاتا ہے۔ برطانیہ میں وہ ماریہ پر فدا ہو جاتا ہے۔ جو اس کے بار میں کام کرتی ہے۔ پھر ایک مقامی ریل کا سفر، پولیس کے نرغے میں ایک بوڑھا کہ اس پر دہشت گردی کا الزام معلوم ہوتا ہے اسے کہ وہ ایک مصنف ہے۔ اس کی کتابیں جلائی جا چکی ہیں۔ پھر سمیر گرفتار کہ وہ ہزاروں برس کی روایت کی علامت کے طور پر زندہ ہے سمیر بہت سی زبانیں جانتا تھا اور فلسفہ سے بھی رغبت تھی۔ یہی زبانیں اس کے لئے عذاب بن گئی۔

''دونوں افسروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اہم نکتہ پانچ زبانیں جانتا ہے کوئی بہت بڑا نیٹ ورک ہے اب تک یہودی شامل نہیں ہوتے تھے اب وہ بھی ہونے لگے۔''(۱۸)

اس افسانے میں زاہدہ حنا نے سمیر کے کردار کے ذریعے سے نو تاریخیت کو پیش کیا۔ ایک وقت تھا کہ زیادہ زبانیں سیکھنا مہارت کی بات تھی مگر آج کے دور میں یہ زبانیں مشکلات کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔ ''نیند کا زرد لباس'' مہاجر پر لکھی گئی کہانی ہے اس افسانے کا اہم اور مرکزی کردار پروین ہے۔ جو افغانستان سے جان بچا

کر گئے تھے معذور اور زخمی مہاجرین جو ابھی پاکستان پہنچنے ہی والے تھے۔ ان پر حملہ کر دیا جاتا ہے اور وہ سب کے سب مارے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک پروین بھی ہوتی ہے جو ایک کم عمر لڑکی ہے۔ جو امریکی صدر کو خط لکھ کر سوال کرتی ہے کہ ہم افغان بچوں کا کیا قصور ہے۔ جنہیں بموں، گولیوں اور بھوک سے دن رات مارا جارہا ہے۔ وہ اس حوالے سے لکھتی ہے۔

> ''میرا نام پروین ہے جناب! میں دس برس کی تھی جب آپ نے مجھے کابل سے نکال دیا ہم وہاں نکلتے نہیں تو اور کیا کرتے؟ بم آپ کے بنائے ہوئے تھے بمبار آپ کے بھیجے ہوئے تھے اور ہمارے گھر اڑا رہے تھے۔''(۱۹)

زاہدہ حنا ایک بچی کے کردار کے ذریعے سے تاریخ کے ایسے حقائق کہلواتی ہیں جو شائد ایک مؤرخ کبھی نہ کہے گا۔ ''ہوا پھر سے حکم صادر''میں ایک نسوانی کردار نادرہ کے ذریعے سے پاکستان اور بھارت کے حالات پر افسانہ لکھا گیا۔ نادرہ جو ایک پاکستانی لڑکے عمران سے شادی کرتی ہے۔ جو گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود ان کو عمران کے لئے راضی کر لیتی ہے۔ مگر انسان کسی سے محبت کرے مگر وطن کی محبت دل سے نہیں نکال سکتا۔ اسی کہانی میں بنگلہ دیش اور پاکستان کے حالات کو بھی بیان کیا گیا اور نادرہ کے نزدیک بنگلہ دیش کے آزادی میں ساتھ دیا تو اس کو بھی پورا حق ہے کہ وہ حکومت ملنی چاہیے۔ عمران اس کو کہتا ہے یہ آگ تم انڈیا والوں کی لگائی ہوئی ہے۔

> '' عمران نے وہسکی سے بھرا ہوا گلاس دیوار پر مارا اور دھاڑا، دماغ خراب ہوا ہے تمہارا؟ یہ کالے ٹھنگنے ہم پر حکومت کریں گے۔ ہم ان مردود بنگالیوں کے لئے احتجاج کریں گے؟ انہیں چن چن کر قتل کر دینا چاہیے، کتے، نمک حرام، کھاتے پاکستان کا اور گاتے ہندوستان کا ہیں۔''(۲۰)

زاہدہ حنا تاریخ کو نو تاریخیت کے زمرے میں بیان کرتی ہیں کہ مرد ہمیشہ عورت کو حقیر سمجھتا رہا ہے۔ ہر فرد کو اپنے ملک سے محبت ہوتی ہے اور وہ اپنے ملک کے خلاف کوئی بات نہیں برداشت کر سکتا۔ ''جسم و زبان کی موت سے پہلے''میں ''عباس'' کے کردار پر مشتمل کہانی بیان کی گئی۔ یہ ایسے عقوبت خانے پر مشتمل

کہانی ہے جہاں کے کردار "عباس" کو طرح طرح کی اذیتوں اور تشدد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسے توڑنے اور اپنے نصب العین کو چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے جسمانی اور روحانی مشکلات سے دوچار کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ اس ظلم و ستم کے ہر ہتھکنڈے کے سامنے سینہ سپر رہتا ہے اور انتہائی بے بسی اور لاغری میں بھی ان کے چہروں پر حقارت سے تھوک دیتا ہے۔

> "کتے تو ہمیں جھکانا چاہتا ہے تو چاہتا ہے کہ تیرا مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے تجھے جیل منتقل کیا جائے تجھے اخبار دیئے جائیں۔ وکیل فراہم کیے جائیں تو ہمارا قیدی ہے اور ہم سے مطالبہ کرتا ہے؟ وہ حلق کے بل دھاڑ رہا تھا۔ عباس کراہتا رہا اور گنتا رہا، اکیس، بائیس، تیئیس، جب وہ اسے مارتے تو وہ ضرب کو گنتا تھا۔ چینخیں مارتے ہوئے گنتی بھول جاتا تو پھر سے شروع کر دیتا۔"(۲۱)

زاہدہ حنا عباس کے کردار کے ذریعے سے نو تاریخیت اس طرح بیان کرتی ہیں کہ ہر عہد میں حقوق، آزادی اور عزت نفس کے لئے لڑنے والوں کو جس جابرانہ انانیت، آمرانہ روایات سے سابقہ پڑتا ہے ان کا ذکر ایسے کرب سے ہوا ہے کہ الفاظ بھی ساتھ نہیں دیتے۔ اگر کسی بھی امیر یا اعلیٰ عہدے پر فائز افسر کے بارے میں بول دیا جائے یا لکھ دیا جائے تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ رکھا جاتا ہے۔ ایک عہد کی بات نہیں ہے بلکہ ہر عہد اور دور میں ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔

> "جب ان کے مجازی خدا مصطفیٰ علی خان عرف دلارے میاں نے پہلی مرتبہ ان کے ہاتھ میں کتاب دیکھی تھی اگلی ساعت اس کتاب کے چار ٹکڑے باہر کی طرف اچھال دیئے گئے پھر کتابوں کا صندوق گھسیٹ کر آنگن تک لے جایا گیا اور آن کی آن میں وہاں کتابوں کی ہولی جلی۔"(۲۲)

زاہد حنا نے عورت کے اس درد کو محسوس کیا اور اس دکھ کو اپنے الفاظوں میں بیان کیا۔ زاہدہ حنا اس کو نو تاریخیت کے زمرے میں اس طرح پیش کرتی ہیں کہ یہ برصغیر کے ہر عورت کی کہانی ہے یہ ہر اس عورت کی کہانی ہے جو اپنے فیصلے خود نہ کر سکے یا اس کو فیصلے نہ کرنے پر مجبور کیا جارہا ہو۔ یہ تاریخ میں بھی اسی طرح

عورتوں کے ساتھ سلوک رکھا گیا ہے۔ اور حال میں بھی یہی سلوک رکھا جا رہا ہے۔ زاہدہ حنا شہنشاہ بابو کے ذریعے سے یہ پیغام بھی دیتی ہیں کہ جب بھی کوئی ظلم ہو رہا ہو تو اپنے حق کے لئے فوری آواز اٹھانی چاہیے۔ وقت گزرنے کے بعد کئے جانے والے فیصلہ وہ اثر نہیں رکھتے۔ پہلا قدم خود اٹھایا جاتا ہے تب ہی دوسرے بھی آپ کے ساتھ آکر کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلام نے عورت اور مرد کو مساوی حقوق دیئے ہیں۔ تو کسی بھی انسان کو دوسرے انسان پر ظلم کرنے کا حق نہیں ہے سب کے لئے ایک جیسے حقوق ہیں تو پھر ظالم کے آگے نا بولنا کون سی سمجھداری ہے۔ ''جل ہے سار جال'' یہ کہانی اکیوریم سے شروع ہوتی ہے۔ اکیوریم کے مالک تمکنت ہے اور اس افسانے کا اہم کردار بھی ہے۔ تمکنت ایک خوش باش عورت ہے۔ تمکنت کے بقوم اس کی جان اس کی بیٹی قید میں ہے۔ آدم کے اوپر ایک ملک کے ولی عہد کی نظر پڑتی ہے اور وہ اس کو پسند کرنے لگتا ہے اور تمکنت اور اس کا شوہر اس کی شادی کر دیتے ہیں۔ اس معاشرے میں تمکنت اور اس کے شوہر کے لئے فخر کی بات ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی کی شادی ولی عہد سے ہوئی ہے۔

''وہ چلی گئی اور میرے دل میں ایک خلش سی رہی چند ہفتے کے بعد اس کا چار سطری خط آیا۔ ''میں نے ہاں کر دی ہے شادی تین مہینے بعد ہے۔ یہ سطریں اس لئے لکھ رہی ہوں کہ دو چار دن میں اخباروں کے ذریعے یہ خبر تم تک پہنچنے سے پہلے میرا خط پہنچ جائے۔ تم یہ نہ کہو کہ عجب بے مروت تھی۔''(۲۳)

بیاہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوتا کہ ایک دن ارم کے ہلاک ہونے کی خبر آتی ہے تمکنت پر اس کے گہرے اثرات پڑتے ہیں اور وہ اکیوریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہتی ہے کہ میں بھی ایک ایسے اکیوریم کی خواہش کرتی ہوں جہاں لڑکی مچھلی چھوٹی چھوٹی مچھلی کو نوالہ نہ بنائے۔ زاہدہ حنا یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ اکیوریم کی طرح معاشرے کو بھی ایسا ہونا چاہیے جہاں پر انسان اپنی مرضی کی زندگی گزار سکے اور اس کی زندگی پر کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ ''تتلیاں ڈھونڈنے والی'' نرجس نامی ایک نسوانی کردار ہے جو آزادی کے حصول کے لئے کوشش کرتے ہوئے گرفتار ہو جاتی ہے۔ نرجس کے ساتھ حسین بھی آزادی کے لئے کوشش

کرتے ہوئے گرفتار ہوتا ہے۔ وہ فوجیوں کے تشدد کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور پھر آخر میں وہ خودکشی کرلیتا ہے۔ مگر نرجس اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ نرجس کو پھانسی کی سزا ہو جاتی ہے۔ مگر وہ سقراط (ایک تاریخی واقعہ) کی طرح رحم کی اپیل نہیں کرتی اور اپنی جان دے دی۔

"وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی تختہ دار پر پہنچی تو سرکاری جلاد اس کے قدموں میں جھکا اور تسمے سے پیر باندھنے لگا۔ نرجس نے اوجھل ہوتے منظر پر ایک نظر ڈالی پھر اسے بھی اپنے اندر رکھ لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور منظر اس کے اندر تھا۔"(۲۴)

یہ کہانی انتہائی پر اثر ہے جو اس امید پر زاہدہ حنا نے اس کا اختتام کیا کہ آنے والی نسلوں کی راہ کے کانٹے پہلی نسل نے اپنی قربانیوں سے چن لئے ہیں۔ مہدی کے اچھے مستقبل کے لئے اس کی ماں نے اپنی زندگی کو پیش کر دیا تاکہ آنے والے وقت میں اس کے بیٹے کو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

"پانیوں میں سراب" تین کرداروں پر مشتمل کردار ہے۔ اس افسانے کے خصوصی کردار "میں" (دادی یعنی اس کہانی کی ہیروئین) دوسرا کردار اظفر اور تیسرا کردار یوسف جو ان دونوں کا قریبی دوست ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ضمنی کردار ہیں۔ احسن اور صفیہ احسن دو ضمنی کردار ہیں۔ اس کہانی کی ہیروئین مزار پر لکھی ہوئی تحریر "عصمت پناہ" پڑتی ہے اور اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ میری قبر پر بھی یہی تحریر "عصمت پناہ" کندہ کروا دینا۔ اظفر ایک ایسا کردار جو پیسہ کمانے یا دولت حاصل کرنے کو اہمیت دیتا ہے وہ اپنے کاموں میں اس طرح مصروف کے اسے اپنی بیوی اور گھر کو وقت دینے میں بھی وقت نہیں۔ اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کی بیوی کیا چاہتی ہے۔ اظفر اپنی بیوی کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکا۔ اس کے نزدیک عورت کا وجود ایسا ہے جو ایک گھر میں موجود فرنیچر کی طرح ہے۔ ظفر ایسا کردار ہے جو دوسروں کو تڑپتا دیکھ کر لذت محسوس کرتا ہے اس حوالہ سے وہ مچھلی تڑپتا دیکھ کر وہ لذت محسوس کرتا تھا۔

"مجھ سے اچھی تو یہ کافی ٹھہری جو ایک لمحے میں پی لی جاتی ہے اور معدوم ہو جاتی ہے مجھ سے بہتر تو سموسے کا یہ لقمہ ہے جیسے صرف ایک مرتبہ چبایا جاتا ہے اور پھر نجات پالیتا ہے ہر رات مجھے چباتی ہے اور میں ختم نہیں ہوتی ہر دن مجھے پیتا ہے اور میں موجود رہتی ہوں۔"(۲۵)

اس افسانے میں عورت کی کہانی ہے جو پانیوں میں رہتے ہوئے بھی ایک ایسے سرات کو تلاش کرتی ہے جو اس کی پیاس کو ختم کر سکے "پانیوں میں سراب" یہاں مراد دو مردوں سے رشتہ ہونے کے باوجود وہ تشنگی میں مبتلا ہے۔ ایک مرد کی ہو کر رہے۔ زاہدہ حنا نو تاریخیت کو عورت کے زریعے سے بیان کرتی ہے کہ ہر دور میں عورت ایسا ہی محسوس کرتی ہے۔ تشنگی سے مراد سکون ہے جو عورت کو حاصل نہیں وہ اپنے سکون کو قائم رکھنے کے لئے "سراب کی تلاش کرتی ہے"۔ اس افسانے میں مردوں کے اس سماج کی عکاسی کی گئی ہے جو عورت کی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے لئے صرف دولت ہی بہت کچھ ہے۔

"بہ ہر سو رقص بسمل بود" میں "نجیب" اور اس کی بہن "ناہید" کا اہم کردار ہے اور اس کا بھائی نجیب جو کراچی میں رپورٹر کے کام سرانجام دیتا ہے اور کراچی میں موجود جاری دہشت گردی کو سامنے لاتا ہے اور اس فرض شناسی کے دوران وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے اور موت کی نیند سو جاتا ہے۔

> "اور یہ جو آپ بہائیوں، ذکریوں، احمدیوں، عیسائیوں اور سکھوں کے غم میں نڈھال ہیں تو کبھی اپنے شہر کے مقتولین کا مرتبہ بھی لکھے دیکھئے تو سہی کمند موت نے کیا کیا بند جکڑے ہیں زمین شہر نے اک اک کے پاؤں پکڑے ہیں۔"[۲۶]

کراچی کے حالات کو زاہدہ حنا اپنے کرداروں کے ذریعے سے بیان کرتی ہیں اور دہشت گردی کو سامنے لاتی ہیں اور ایسے معاشرے کی امید کرتی ہیں کہ جہاں سکون ہو اور قتل و غارت نہ ہو جہاں ہر کوئی آرام سے زندگی بسر کر سکے مگر جسے کراچی کے حالات کو زاہدہ حنا نے نو تاریخیت کے ذریعے بیان کیا کہ کراچی میں کسی انسان کے لئے زندگی گزارنا اور آنے والے مستقبل کو بہتر بنانا اور اگلی نسل کو محفوظ بنانے کے لئے سوچ بھی نہیں سکتا۔ "آخری بوند کی خوشبو" میں ایک سیاسی ورکر سائیں فیض بخش کا کردار ہے وہ سکھر کے ایک سرکاری سکول میں استاد کی حیثیت سے تاریخ کا موضوع پڑھاتے تھے۔ لیکن جلد ہی ان کو اس ملازمت سے نکال دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بچوں کو درست تاریخ پڑھاتے تھے وہ تاریخ میں غازیوں کے کارناموں کو درست

طریقے سے پڑھاتے تھے جنہیں انگریز اپنے نصاب میں باغی اور غدار کہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ وہاں فیض بخش کی ملاقات بھگت سنگھ سے ہوتی ہے۔ جو ایک ضمنی کردار ہے جو ہتھیاروں کے خون ریز انقلاب کے بغیر انگریزوں سے آزادی حاصل ممکن ہی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اپنے گھر کی یاد آتی ہے اور وہ اپنے گھر آجاتا ہے ادھر آزادی بھی مل گئی لیکن فیض بخش اس آزادی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ کیسی آزادی ہے جو وہی انگریز سماج کے قاصد نئے ملک کے اقتدار پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن بنایا گیا جس کا نام فیض کی مرضی کے مطابق رکھا گیا اور جب اس اسٹیشن کا نام رکھا جا رہا تھا جو "اتحاد" فیض بخش نے تجویز کیا تھا مگر اس کے نام رکھنے کے دوران فیض بخش کو اس کی برکات سے دور رکھا گیا۔ سکول بنا تو اس میں بھی فیض بخش کو کوئی ملازمت نہ ملی بلکہ انگریز بنائے گئے عملہ کو رکھا گیا اور گاؤں نئے لوگوں سے بھرتا چلا گیا اور شہر میں تبدیل ہوتا گیا اور پھر ایک ایسا وقت آیا جب اس ملک میں سڑکوں پر موت کا راج ہو گیا اور انسانی خون ہر طرف نظر آنے لگا اور اسی دہشت گردی میں فیض بخش کو بھی جان سے جانا پڑا۔

> "ان دونوں نے تو بس "فائر" کی آواز سنی جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی آواز بھی لوگوں نے یوں ہی سنی ہوگی، فضا رائفلوں کی باڑھ سے گونج اٹھی۔۔۔۔۔ ایک گولی ریلوے اسٹیشن کے نام کی تختی پر لگی اور "اتحاد" کے الف کو چھیلتی چلی گئی۔ ہانپتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے سائیں فیض بخش نے رہ جانے والے "تحاد" کو دیکھا اور ان کے منطقی زمین نے اس لمحے بھی "المنجد" کی اس عبارت کو یاد کیا جس کے مطابق "تحاد" کے معنی ایک دوسرے سے ناراض ہونے اور باہم غضبناک ہونے کے ہیں۔"(۲۷)

زاہدہ حنا نے اپنے کرداروں کے ذریعے سے ماضی کو حال میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان کے کرداروں میں زندہ رہنا اور جدوجہد کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ ان کے کردار ظلم و جبر اور بے بسی کے خلاف جہاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کردار کی نفسیاتی تصویر کشی کے لئے زوال کے اندر دور تک اتر کر دیکھا۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آج کی انٹلکچوئل عورت کے نزدیک وصال ایک شفاف ندی ہے جس کے اندر کوئی رمز نہیں اور اس کے مقابل فراق جان لیوا ہے لیکن اسرار سے پر سمندر کی مانند خوبصورت۔ یوں زاہدہ حنا کا چناؤ فراق ہے۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں وجودیت کے فلسفے کے زیر اثر ہمارے عہد کی مضطرب انسانی جدوجہد کی خاص معنویت ہے اور وجود کی سطح پر عورت اور مرد کا ازلی تنازعہ توجہ کا مطلب۔"(۲۸)

زاہدہ حنا نے اپنے افسانوں میں مختلف کرداروں کا سہارا لے کر تاریخ کو پیش کیا ہے اور ان کرداروں کے ذریعے سے اس دور کی تہذیب، ثقافت، سماج، مذہب اور لوگوں کی نفسیات کو بھی بیان کیا تاکہ ان کے افسانوں کے ذریعے سے قاری اپنے آنے والے حال اور مستقبل کو بہتر بنا سکے۔ زاہدہ حنا نے بعض فرضی کرداروں کے ذریعے سے تاریخ کو بیان کیا۔ ان کے کردار تاریخ میں کھو نہیں جاتے بلکہ وہ تاریخ میں ہونے والے ظلم کو موجودہ دور کے ساتھ ملاتے ہیں۔

ج۔ مکالمہ:

کسی کہانی میں موجود کردار جو آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ ان کو فنی زبان میں مکالمہ کہتے ہیں۔ افسانے میں کرداروں کی گفتگو، مکالمہ ہی کے ذریعے سے قاری تک رسائی کرتی ہے۔ ناول میں طویل مکالمات کی گنجائش ہوتی ہے مگر افسانے کا سارا حسن ہی اس کی ایجاد و اختصار میں ہے۔ لہٰذا افسانے کا مکالمہ "جامع پر اثر" اور چست و موزوں ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی لکھتے ہیں۔

"مکالموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ آسان زبان میں ہو۔ ان میں آمد اور برجستگی ہو جس کردار کے منہ سے وہ نکلیں اس کی فطرت اور سرشست کے آئینہ دار ہوں۔"(۲۹)

مکالمہ کردار کے پہلو بہ پہلو چلتا ہے اس لئے ایک افسانہ نگار کو مکالمہ کی طرف بھی اتنی ہی توجہ دینی پڑے گی جس قدر کردار نگاری کی طرف دی جاتی ہے۔ کرداروں کے درمیان طبقاتی حیثیت مکالموں کے ذریعے سے پتہ چلایا جاتا ہے ایک اچھا افسانہ نگار کردار کی انفرادیت کو اجاگر کرنے کے اس کے منہ میں وہ زبان ڈال دیتا ہے جس سے اس کی انفرادیت اور طبقے کی نمائندگی کا پتہ چل سکے۔ احسن فاروقی اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ہر کردار ایسا کلام کرے جو اس کی انفرادیت کو دوسروں کی انفرادیت سے الگ کر دے۔"(۳۰)

اس لئے مکالمہ اس طرح لیا جائے جو ہر کردار کی ذاتی اور انفرادی خصوصیت کو اجاگر کرتے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مکالمہ کہانی کے ارتقاء میں بنیادی اور مرکزی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ افسانے میں مکالمہ ضرورت کے مطابق اور موقع محل کے مطابق ہوں گے تو اس میں حسن پایا جائے گا۔ مکالمہ لکھتے وقت کردار کی ذہنی کیفیت، رسوم و رواج، عام بول چال کی زبان، اور روزمرہ محاورہ سے اچھی طرح آگاہ ہونا چاہیے۔ مکالموں کے لئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ پلاٹ سے ہم آہنگ ہوں۔ مکالموں میں خود کلامی کا بھی ایک عنصر موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی کردار اپنی کشمکش کو ظاہر کرتا ہے۔ زاہدہ حنا نے بھی اپنے افسانوں میں مکالموں کا خوبصورتی سے استعمال کیا ہے انہوں نے اگر تاریخی حوالے سے کردار پیش کئے تو مکالمہ بھی اسی حوالے سے لکھے گئے۔ مکالموں اور کرداروں کے درمیان ایک مضبوط ربط قائم کیا۔

"پانیوں میں سراب" عورت کی کہانی ہے جو اپنے شوہر سے اس کا وقت اور اس کی اہمیت کو حاصل کرنا چاہتی ہے مگر اس کا شوہر صرف پیسے کمانے کی مشین کی طرح ہے جو صرف پیسے کی طرف بھاگتا ہے اور اپنے وقت میں سے بیوی کو کوئی حق نہیں دیتا اظفر کا کردار ایسا ہے جو دوسروں کو تڑپتا دیکھ کر لذت محسوس کرتا ہے۔ اس حوالہ سے وہ مچھلی کی تڑپ سے اس کو جو لذت محسوس ہوتی اس کو زاہدہ حنا نے بڑی ہی خوبصورتی سے اپنے افسانوں میں مکالموں کے ذریعے سے پیش کیا۔

> "میرے عقب میں آواز ہوئی تو میں نے گردن گھما کر دیکھا کنارے کے قریب اظفر نے ایک مچھلی پکڑی تھی اور اب وہی کشتی کے فرش پر تڑپ رہی تھی۔ "اظفر پلیز، اسے پانی میں پھینک دو" میں نے بے تابی سے کہا۔ "بمشکل تمام ایک تو ہاتھ آئی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ اسے واپس پھینک دوں، جواب نہیں ہے تمہارا بھی" اظفر کی آنکھوں میں مچھلی کو تڑپتے دیکھ کر لذت کی ایک لکیر کھنچ گئی۔"(۳۱)

زاہدہ حنا نے مچھلی کے ذریعے سے معاشرے میں عورت کے حقوق کو نو تاریخیت کے ذریعے سے پیش کیا۔ ان کے مکالموں کو پڑھتے ہوئے اسی طرح کا احساس پایا جاتا ہے جو وہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ ”جل ہے سارا جال“ میں عورت کے بارے میں اور اس کے حقوق کے بارے میں افسانہ لکھا وہ عورتوں کے دکھ عورت ہونے کی حیثیت سے محسوس کیا اور اپنے افسانوں میں اس دکھ کو پیش کیا۔ عورت مرد کی ایک کھیتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے زیادہ عورت کا کوئی مقام نہیں وہ معاشرے میں موجود ایک بڑے غم کو نو تاریخیت کے ذریعے سے بیان کرتی ہیں۔ وہ اپنے افسانے میں تمکنت اور اس کی دوست کا مکالمہ پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

”اب تم کھیت کھلیان کے چکر میں پڑ گئیں کوئی بات تو ٹھکانے کی کرو" میں نے الجھ کر کہا۔“

”تمکنت“ میں بے ٹھکانہ بات تو نہیں کر رہی تم پڑھی لکھی ہو تمہیں تو نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں اور میری جان کھیتیاں تو بس اپنے مالک کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ مالک جس طرح چاہے ان میں جا سکتا ہے۔“(۳۲)

”زرد ہوائیں، زرد آوازیں“ میں کہانی کار ماضی کی یادون کے سہارے کہانی کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ کہانی کا آغاز میں میکنٹشر کا پل آتا ہے۔ جو کہانی کار کو ماضی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ جب لوگ ٹرین کے ذریعے سے اس پل میں سے گزرتے ہیں تو اس میں سکئے پھینکتے ہیں۔ اور اپنی آرزوئیں اور مرادیں کو پوری ہونے کی دعا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی اور موت کے بارے میں بیان کیا ہے اور قبر کے خوف کو وہ ریل کی آواز سے ملاتی ہیں۔

”اماں ریل کی آواز سے ان لوگوں کو کتنا ڈر لگتا ہوگا؟ قبر میں تو یوں بھی ڈر لگتا ہے نا؟“

میں اماں سے کہتی ہوں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ جانے کہاں کہاں کی واہیات باتیں دماغ میں بھر گئی ہیں۔“(۳۳)

یہاں پر زاہدہ حنا ایک واضح حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ انسان کو دنیا کے کاموں میں مبتلا ہو کر قبر کی حقیقت سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ ان کو دنیاوی مشکلات سے ڈر لگتا ہے مگر قبر سے ہوناچاہیے مگر اس کے بارے میں سوچ نہیں آتی اور ایک فلسفہ کہ قبریں لوگ اتنی تنگ کیوں بناتے ہیں کہ آدمی کروٹ بھی نہ لے سکے۔"زیتون کی ایک شاخ" ویتنام کی جنگ میں بھیجے جانے والے امریکی نوجوان ایڈگر کی کہانی ہے جو اپنی مرضی کے بغیر جنگ میں بھیج دیا جاتا ہے اور آخر کار وہ اس جنگ میں کام آجاتا ہے جس طرح اس کا باپ بھی کسی کی جنگ میں کام آیا۔ زاہدہ حنا کی بے بسی کو بیان کرتی ہیں کہ پہلے اس کا شوہر جنگ میں جاتا ہے تو وہ اس کے لئے دن رات دعائیں کرتی ہے پھر آخر کار جنگ سے اس کی موت کی خبر آجاتی ہے وہ ابھی اس غم سے نکلی نہیں ہوتی کہ اس کے بیٹے کو بھی وہ جنگ میں بھیج دیتے ہیں۔ اسی دوران ان کے مکالموں سے تاریخ کے مختلف ادوار پر بھی بحث ہوتی ہے۔

"ہاں برصغیر کی تاریخ ہمارے نصاب میں تھی لیکن واقعی تم لوگوں کا جواب نہیں ہے پاکستان میں رہتے ہو اور پورے برصغیر کی تاریخ کو اپنی تاریخ کہتے ہو۔ لاکھوں انسانوں کے خون سے تم نے اپنے ملک کی سرحدیں کھینچی ہیں۔ وہ خوش دلی سے ہنسی۔ مجھے معلوم ہے تم سب ہمارا مذاق اڑاتے ہو اور تم بھی اپنی جگہ صحیح کہتے ہو۔ ہم نے ایک ملک کو تقسیم تو کر دیا۔ لیکن اپنا ماضی کاٹ کر نہ پھینک سکے۔"(۳۴)

ایڈگر کے کردار کے ذریعے سے ماضی کی بات کو مکالموں میں پیش کیا کہ جب ایک ملک حاصل کرنے کے بعد اس کو پورے برصغیر کے ساتھ کیوں ملایا جارہا ہے۔ زاہدہ حنا یہ بات پیش کرتی ہیں کہ انسان اپنا ماضی کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتا وہ ماضی کے ذریعے ہی حال کو خوشگوار اور مستقبل کو بہتر بنا سکتا ہے۔ "تتلیاں ڈھونڈنے والی" نرجس کے ایک نڈر کردار کے ذریعے سے کہانی کو تاریخی حوالے سے پیش کیا۔ نرجس جو قید میں ہوتی ہے۔ مگر وہ اپنی زندگی کو اپنے بیٹے کے لئے وقف کر دیتی ہے۔ نرجس اور اس کے مہدی کے ذریعے سے آزادی کی بات کو مکالموں کے ذریعے سے بیان کیا۔

"کون سی تتلی ڈھونڈنے؟" بچہ اس سے توتلی زبان میں پوچھتا ہے۔

"آزادی کی تتلی ڈھونڈنے"

"وہ کس رنگ کی ہوتی ہے؟"

"اس میں دھنک کے ساتوں رنگ ہوتے ہیں۔"(۳۵)

اس افسانے میں زاہدہ حنا تاریخی کرداروں کو لاشعوری طور پر پیش کیا ہے۔ پھانسی کے آرڈر لانے والا ظالم لوگوں کا نمائندہ ہے۔ رحمدل وارڈن مریم جو سقراط کو پیالہ، زہر کا دینے والا ملازم ہے۔ مریم وارڈن جو نرجس کے بیٹے کو گود میں لئے ہوئے اس کو پھانسی گھاٹ کی طرف لے جاتی ہے۔ نرجس اور مریم کے مکالموں کو بھی زاہدہ حنا نے بہت ہی عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔

"بی بی تمہیں ڈر نہیں لگتا؟"

"کس بات سے ڈر" نرجس نے جواب دیا۔

"موت سے"

"نہیں، موت پر جب اپنا اختیار ہو تو اس سے ڈر نہیں لگتا۔ پھر مہدی ہی تو ہے وہ میرے بعد رہے گا اور میں اس میں رہوں گی پھر جب وہ چلا جائے گا تو میں اس کے بچوں میں زندہ رہوں گی۔"(۳۶)

"زمین آگ کی، آسمان آگ کا" میں خواتین کے بعض شرعی، قانونی، سماجی اور انسانی حقوق کے بارے میں لوگوں کے تنگ نظر نظریہ کو سامنے لایا ایک ایسی خاتون کی کہانی بیان کی گئی جو شادی سے پہلے تو بہت سے خواب دیکھتی ہے اور جس کو گھر میں تعلیم بھی دی جاتی ہے مگر شادی کے بعد اس کو پڑھنا تو دور کی بات اس کی کتابوں کو جلا دیا جاتا ہے تا کہ وہ لکھ پڑھ نہ سکے۔ زاہدہ حنا نے اس کے اور اس کے شوہر کے مکالموں کو موجودہ دور کے مطابق پیش کیا۔

"شہنشاہ بانو نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اپنے مجازی خدا کو دیکھا۔ "پلک جھپکنا کوئی گناہ تو نہیں ہے"۔ انہوں نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں صاحب گناہ تو مجھ سے ہوا کہ مجھ ناچیز نے شہنشاہ بانو بیگم کو دلی کی ملکہ عالیہ کو
چین سے بے چین کیا" دلارے میاں کی آواز کے بچھوؤں کا ڈنگ ان کے کانوں میں اتر
گیا۔"(۳۷)

ان مکالموں کے ذریعے سے زاہدہ حنا نے مرد کی حاکمیت کو سامنے لایا کہ ماضی میں بھی عورت کے ساتھ ایسا ہی سلوک رکھا جاتا تھا اور آج کے دور میں بھی یہی سلوک ہوتا ہے۔ زاہدہ حنا نے فرضی کردار کے ذریعے سے نو تاریخیت کو پیش کیا کہ آج کے دور میں بھی عورت جتنا پڑھ لکھ جائے مگر شادی کے بعد اس کی شوہر کے نظر میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو اس افسانے میں شہنشاہ بانو کی ہے۔ "معدوم ابن معدوم۔۔۔۔۔۔ " میں ایسا کردار جو آزادی کے لئے قید ہو جاتا ہے مگر آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنی جگہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور پاکستان آنے کے بجائے وہ ہندوستان میں ہی رہنا پسند کرتا ہے۔ مگر اس کا بیٹا کراچی میں آکر شادی کر کے وہیں کا ہو جاتا ہے۔ باپ کا غصہ بیٹے کے لئے لیکن جب اس کا پوتا آتا ہے تو وہ اپنے غصہ کو بھول جاتا ہے کرنل معصوم جب وہ گول کمرے کی دیوار پر آویزاں ہرن کی کھال کو دیکھتا رہا تھا اور اس پر لکھے ہوئے ناموں کو پڑھتا رہا تھا۔

"دادا میاں اس پر تو میرا نام بھی لکھا ہے" اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"اور اس پر تمہارے بیٹے کا نام بھی لکھا جائے گا"

"لیکن دادا میاں ہمارا شجرہ تو یہاں ہے"

"میری جان جب میں نہیں رہوں گا تو یہ سب چیزیں تمہاری ہوں گی۔"(۳۸)

انسان کسی بھی ملک میں رہتا ہو اس کی موت کا ایک وقت متعین ہے اور اسکی موت اس کو اسی کی جگہ پر آئے گی جہاں موت کی جگہ اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہو گی۔ انسان طرح طرح کے منصوبے بناتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی کارشاز ہے۔ وہ بہتر جانتے ہیں کہ کس نے اس دنیا سے پہلے جانا ہے اور کس نے بعد میں اور اس کے

ساتھ ملک کے حالات کو بھی زاہدہ حنا نے تاریخ کے حوالے سے بیان کیا۔ پاکستان بننے سے لے کر آپ تک اس میں پولیس کا ایسا ہی سلوک ہے کسی پر بھی گولی مار کر اس کو دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے۔ ”منزل ہے کہاں تیری“ میں کہانی دو کبوتر دونوں امن کے خواہاں سے شروع ہوتی ہے لیکن کچھ لوگ امن کے خواہان تو ہوتے ہیں۔ مگر ان میں کچھ لوگ جو مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے کسی کی بھی جان لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک کردار اوشا کے پتا جو بے قصور ہونے کے باوجود مارے جاتے ہیں۔ ان کا صرف اتنا قصور ہے کہ وہ ہندو ہونے کے باوجود پاکستان میں رہنا پسند کرتے تھے۔

”اے بیٹا اسے تو چپ لگ گئی تھی پھر ان ہی دنوں گر گئی بابری مسجد۔۔۔۔“

عالیہ نے چچی اماں کی بات کاٹ دی۔ ”آپ بابری مسجد کا تذکرہ کرنے لگیں، میں اوشا کے پتا کے بارے میں پوچھ رہی ہوں“

”عالیہ نے جھنجھلا کر کہا پہلے تو آپ لوگوں نے اوشا کو مر جانے دیا، اب اس کے پتا کا قصہ بھی سنا دیں۔“(۳۹)

اس ملک کے حالات بیان کئے گئے اس افسانے میں کہ کسی کی جان لینے میں کوئی گھبراہٹ نہیں محسوس کی جا رہی کسی بے قصور کی جان لینا کوئی مشکل کام نہیں رہا۔ ہر طرف افراتفری کا سماں ہے۔ اسی طرح اوشا کے پتا نے بھی جان قربان کر دی۔ ان کو بھی دوسروں کی غلطی کی سزا ملی کیونکہ وہ غیر مذہب تھا۔ ”بہ ہر سو رقص بسمل بود“ کراچی کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ ناہید جو ایک سکالر ہے ایک ماں اور بھائی ہے بھائی جو ایک رپورٹر ہے اور کراچی کے حالات کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بھائی بہن کی ریسرچ جو مذہبی اقلیتوں پر کر رہی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے کہتا ہے کہ ایران طوران کے بجائے پہلے اپنے ملک کے حالات کو دیکھو۔ بھائی، بہن کی گفتگو کو زاہدہ حنا نے کراچی کے سماجی و سیاسی حالات کو بیان کیا ہے۔

"یہ راستوں اور عفویت گاہوں کا ذکر کتابوں میں بڑھتی ہیں۔امریکی یونیورسٹیوں کے سیمیناروں میں سنتی ہیں میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ اپنی ان دو آنکھوں سے"۔ یہ سب کچھ پڑھتی ہیں اس لئے ان سے کھایا نہیں جاتا میں سب کچھ دیکھتا ہوں، اسی لئے پیٹ بھر کر کھاتا ہوں، زور زور سے ہنستا ہوں۔"(۴۰)

کہانی کو زاہدہ حنا کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔ ناہید نجف تحقیقی حوالے سے کام کرے یا نہ کرے مگر عملی طور پر اس کا کام پورا ہو چکا ہے جب وہ اپنے بھائی کا سہرا دیکھنے کے بجائے لاش دیکھتی ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک جب ایک انسان غم کے حالات سے گزرتا ہے تو اسے دوسروں کا غم اپنا غم محسوس ہوتا ہے۔"جاگے ہیں خواب میں"بغداد اور استنبول کے حالات کو ایک خاتون کے کردار کے ذریعے سے پیش کیا۔ کہ وہ بغداد کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس حد تک ڈر چکی ہے کہ اس کو خواب میں بھی اپنا اپ جاگا ہو نکلتا ہے۔ اس کو بغداد کے لوگوں کی آوازیں، چینخیں، سونے نہیں دیتی، شہریوں کے پگھلتے ہوئے جسموں کی بو یہاں تک اس کو محسوس ہو رہی تھی۔

"میں سولیوں پر پھڑکتے ہوئے اپنے لوگوں کا تماشا نہیں دیکھ سکتی۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے"

"مائی ڈیر گرل، ہمت پیدا کرو، دنیا ابھی اور بری جگہ ہونے والی ہے۔"(۴۱)

لالہ اپنے آپ سے باتیں کرتی رہی۔ زاہدہ حنا نے اپنے تخلیقی قوت سے ایک فرضی کردار کے ذریعے سے لالہ کی خود کلامی کو پیش کیا۔ دنیا میں جتنی بھیڑ اور رش ہے انسان اتنا ہی تنہا ہے اور اسی کشمکش میں وہ اپنی جان دے دیتی ہے کیونکہ وہ دنیا کے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"تنہائی کا چاہ بابل"ایک سمیر نوجوان کی کہانی ہے۔ جو برطانیہ چلا جاتا ہے۔ ایک مقامی ریل کا سفر جس میں اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ جس کے بقول اسے دہشت گردی کے الزام میں پولیس نے پکڑ رکھا ہے۔ پھر سمیر اور اس بوڑھے کے درمیان مکالموں جو اس افسانے کی جان ہیں۔ مکالموں میں ہزاروں برس کی تاریخ، ظلم و تشدد، قتل وغارت پائی جاتی ہے۔ بزرگ غائب اور سمیر موجود رہتا ہے۔ سمیر کو گرفتار کر لیا جاتا ہے کہ اس نے اتنی زبانیں کیوں سیکھیں۔

"تم نے اتنی زبانیں کیوں سیکھیں؟"

"اتنی زبانیں جاننا تو فخر کی بات ہوتی ہے ہمارے ابن بطوطہ نہ جانے کتنی زبانیں جانتا تھا اور ہر ملک میں ایک بیوی رکھتا تھا"

"کون ابن بطوطہ؟ کیا اسامہ بن لادن کا کوئی ساتھی؟ اسامہ کی بھی کئی بیویاں ہیں"

"جہنم میں جاؤ، ہمارے ابن بطوطہ کو نہیں جانتے، جاہل کہیں کے"(۴۱)

"نیند کا زرد لباس" ایک لڑکی جو پڑھنا چاہتی ہے مگر اس کو میٹرک تک ہی پڑھایا جاتا ہے۔ باپ اس پر فخر کرتا ہے مگر قوم نے اسے بے غیرت کہا کیونکہ طالبان آگئے اور انہوں نے مکتبوں پر تالے لگا دیئے، اسی میں ایک پروین لڑکی کا کردار جو ہجرت کر کے باجوڑ میں پناہ لیتی ہے۔ عید کے دوسرے دن ان کو باجوڑ چھوڑنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر آخر کار ان پر حملہ کر دیا جاتا ہے اور ان کو مار دیا جاتا ہے۔

"باجی کیا یہ واقعی شہیدوں کی آنکھیں ہیں جو ہمیں دیکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تم بھی اپنے باپ اور بھائی راہ خدا میں بھیج دو؟" میں نے اس کا وہ بازو چوما تھا جس کی ہتھیلی نہیں تھی اس میں جڑی ہوئی انگلیاں نہیں تھیں۔ کتابیں کچھ اور کہتی ہیں پروین"۔ میں نے آہستہ سے کہا تھا۔"(۴۲)

زاہدہ حنا کے افسانوں میں مکالمے پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زاہدہ حنا کو مکالمے کے ہنر سے بھی واقف ہیں اور وہ اپنے کرداروں کے الفاظ، لہجے اور ان کے اتار چڑھاؤ میں بھی مہارت رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں بے جا مکالمہ نہیں شامل کئے بلکہ وقت اور ضرورت کے مطابق مکالمہ کا استعمال کیا۔

حوالہ جات

۱۔ ابو الکلام قاسمی، ناول کا فن، ایجو کیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳، ص۶۹

۲۔ عابد علی عابد، سید، اصول نعقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۰ء، ص۳۵۹

۳۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ۲۱۶

۴۔ زاہدہ حنا، گُم گُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۶۵

۵۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۵۶

۶۔ مختصر اردو لغت، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، ص۱۴۷

۷۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، مرتب، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص۱۴۵

۸۔ سنبل نگار، ڈاکٹر، اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ، دار النور، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۱۴۷

۹۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۴

۱۰۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۱

۱۱۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۳۴

۱۲۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۴۱

۱۳۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۴۵

۱۴۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۴۸

۱۵۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۵۸

۱۶۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۵

۱۷۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۱

۱۸۔ زاہدہ حنا، تنہائی کا چاہ بابل، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵۱

۱۹۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۴

۲۰۔ زاہدہ حنا، ہوا پھر حکم صادر، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵۰

۲۱۔ زاہدہ حنا، جسم و زبان کی موت سے پہلے، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۴۵

۲۲۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسماں آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۲

۲۳۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰۰

۲۴۔ زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۲۵

۲۵۔ زاہدہ حنا، پانیوں میں سراب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹۷

۲۶۔ زاہدہ حنا، بہ ہر رقص بسمل بود، مشمولہ درر قص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹۹

۲۷۔ زاہدہ حنا، آخری بوند کی خوشبو، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۰۰

۲۸۔ مرزا حامد بیگ، نسوانی آوازیں، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۸۷

۲۹۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی مطالعہ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۹۶

۳۰۔ احسن فاروقی، ناول کیا ہے، جاوید پریس، کراچی، ص ۳۱

۳۱۔ زاہدہ حنا، پانیوں میں سراب، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۸۷

۳۲۔ زاہدہ حنا، جل ہے سارا جال، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۰۶

۳۳۔ زاہدہ حنا، زرد ہوائیں، زرد آوازیں، مشمولہ در تتلیان ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۱۷

۳۴۔ زاہدہ حنا، زیتون کی شاخ، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۳۶

۳۵۔ زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۲۵

۳۶۔ زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۱۸

۳۷۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی آسمان آگ کا، مشمولہ در تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۷۴

۳۸۔ زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۴۳

۳۹۔ زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۶۳

۴۰۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سو رقص بسمل بود، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۰۰

۴۱۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۸۲

۴۲۔ زاہدہ حنا، تنہائی کا چاہ بابل، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۰۱

۴۳۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، مشمولہ در رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۲۰۶

باب پنجم:

ماحصل

مجموعی جائزہ

زاہدہ حنا کو بیسویں صدی میں اردو افسانہ نگاری میں نمایاں مقام حاصل ہے وہ ایک سنجیدہ، جراءت مند اور ہوش مند فکشن رائٹر ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں نو تاریخیت کو پیش کیا۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت کو پیش کیا۔ زاہدہ حنا کے افسانوں کو پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ کا وسیع مطالعہ کیا ہے اور انہیں تاریخ اور ماضی سے گہرا لگاؤ ہے۔ زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں مختلف موضوعات کو نو تاریخیت کے ذریعے سے پیش کرتی ہیں۔ وہ انسانی زندگی میں پیش ہونے والے مسائل چاہے وہ معاشرتی ہوں، سماجی ہوں، نفسیاتی ہوں یا پھر مذہبی ہوں ان کو موجودہ صورت حال سے نکال کر ماضی میں تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا جب افسانہ لکھتی ہیں تو کسی خاص ملک یا جغرافیائی حدود کی پابندی نہیں کرتی بلکہ دنیا میں کہیں بھی انسانیت کو پامال کیا جارہا ہو وہ اپنے افسانوں میں اس کو موضوع بنا کر پیش کرتی ہیں۔ چاہے وہ ناگاساکی اور ہیر شیما پر ہونے والی قیامت ہو، فلسطین میں جنگ ہو، عراق کو تباہ و برباد کیا جارہا ہو، افغانستان کے حالات ہوں۔ برما میں خون ریزی ہو یا بنگلہ دیش میں دوسروں کی لگائی گئی آگ ہو ان سب حالات کو وہ اپنے افسانوں میں پیش کرتی ہیں ماضی اور حال کا موازنہ کرتی ہیں اور مستقبل کو سنوارنے کی سوچ پیدا کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا ایک ملک کی بات نہیں کرتی بلکہ وہ مختلف ملکوں میں موجود انسانی جانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر بات کرتی ہیں اور اس بات کو سامنے لاتی ہیں کہ آج کے دور میں کیا ہو رہا ہے اور ماضی میں کیا ہوتا تھا۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں ہجرت کرنے والوں کے کی مشکلات اور دوسرے ملک میں ان کے مقام کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ چونکہ وہ خود ہجرت کر کے پاکستان آئی تھی اس لئے وہ ہجرت کے عذاب کا

تجربہ رکھتی ہیں۔ اس تجربہ کو بیان کرتی ہیں جو ہجرت کر کے حاصل ہوا تھا کہ ہجرت کرنا آسان عمل نہیں ہے۔ انسان اپنے بچپن کسی اور جگہ گزار دے مگر باقی کی زندگی اس کو کسی اور غیر جگہ میں گزارنے پر مجبور ہو جائے۔ جہاں اس کو معلوم بھی ہو کہ اس کا واپس جان ناممکن ہے اور جس علاقے مین وہ زندگی بسر کرنے آیا ہے۔ اس کے ماحول سے بھی ناواقف ہو جس ملک میں وہ پیدا ہوتا ہے وہاں اپنا بچپن گزارتا ہے۔ جس مٹی میں وہ پیدا ہوا ہے اور وہ اسی مٹی میں دفن بھی ہونا چاہتا ہے مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ وہ نئی جگہ جاتا ہے وہاں کے ماحول کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے وہاں کے رہن سہن کو وہاں کی زبان کو، ثقافت کو سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو ہجرت کے دوران اپنے آبائی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ میں بسنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک یہ انتہائی مشکل عمل ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ ہجرت کرنے دوسرے ملک میں بسنے والوں کی زندگی پر بھی بات کرتی ہیں کہ جب وہ دوسرے ملک ہجرت کر کے آتے ہیں تو ان کو وہ مقام نہیں ملتا جو ان کو ملنا چاہیے اس لئے وہ اپنے دل سے اپنی پیدائشی جگہ کو نہیں بھول پاتے۔

"معدوم ابن معدوم" میں ہجرت نہ کرنے والے اور ہجرت کر کے دوسرے ملک جانے والوں کے حالات کو بیان کیا ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو پیدائش کی جگہ کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرتے اور ملک چاہے الگ الگ ہو جائے مگر وہ اپنے آباؤ اجداد کی جگہ کو نہیں چھوڑتے اس کے ساتھ بعد میں جو سلوک رکھا جاتا ہے اس کو بھی اپنے افسانوں میں بیان کرتی ہیں۔ اس میں "اوشا کے پتا" کا کردار اہم مقام رکھتا ہے جب ایک ملک کے حالات خراب ہو جاتے ہیں تو دوسرے ملک بغیر کسی سوچ سمجھ کے لوگوں پر غصہ نکالنا شروع ہو جاتے ہیں۔ "بابری مسجد" کا ذکر ایک تاریخی حوالے سے کرتی ہیں جس کا حل آج تک نہیں ہو سکا۔ زاہدہ حنا کے بہت سے افسانے عورتوں کے حقوق پر لکھے گئے ہیں انہوں نے عورت کے ساتھ سماج میں ہونے والی ناانصافیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے عورت کی عزت و آبرو کی بات کی ہے کہ ان کے نزدیک عورت مسلمان ہو یا ہندو اس کی عزت و آبرو ہر طرح سے اہمیت کی حامل ہے۔ "زمین آگ کی آسمان آگ کا"، "پانیوں پر بہتی پناہ"، "آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی"، "آخری بوند کی

خوشبو"، "رقص مقابر"، "تتلیاں ڈھونڈنے والی" وغیرہ افسانوں میں مختلف انداز میں مختلف عورتوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ وہ عورتوں کی نفسیات کے حوالے سے بھی بات کرتی ہیں اور معاشرے میں عورت کو جو مقام دیا گیا ہے اس کو بھی بیان کرتی ہیں۔ زاہدہ حنا کے نزدیک عورت ہمارے سماج کا بدترین قیدی ہے اور اس کو قید کرنے والے کوئی اور نہیں مرد کی ذات ہے چونکہ ہمارا معاشرہ مرد کا تخلیق کردہ معاشرہ ہے جہاں عورت معاشرتی حوالے سے مرد کے زیر اثر ہے اور ہر لحاظ سے مرد کی محتاج ہے۔ زاہدہ حنا افغان طالبان کا ذکر کرتی ہیں کہ ان کی تمام تر پابندی عورتوں کے لئے ہیں۔ عورتوں کو گھر کی چار دیواری سے باہر نہ جانے دیتے اس کے لئے تعلیم کے دروازے بند کر دیتا اور شادی کے بعد صرف وہ اپنے شوہر کے مطابق اٹھے، بیٹھے، کھائے، پئیے، سوئے وغیرہ عورت کا جیسے کوئی وجود ہی نہ ہو۔ زاہدہ حنا عورتون کو یہ بات سمجھانا چاہتی ہیں کہ حالات جس طرح کے بھی ہوں ماضی میں بھی عورتوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک رکھا جاتا تھا اور آج کے دور میں بھی عورتوں کو حقیر تصور کیا جاتا ہے۔ حالات کو خود بدلنا ہو گا عورتوں کو اپنے حق کے لئے خود آواز اٹھانی چاہیے اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔ زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں عورت کے کردار کو مرکزی حیثیت دیتی ہیں اور عورت کے کردار کے حوالے سے وہ مغلیہ دور کی تاریخ بھی بیان کرتی ہیں۔ کہ ماضی میں بھی انار کلی کے ساتھ کیا رویہ رکھا گیا تھا اور آج کے دور میں بھی سلیم جیسے کردار موجود ہیں جو عورتوں کے ساتھ اس طرح کا رویہ رکھتے ہیں۔ زاہدہ حنا مذہبی حوالے سے درجہ بندی کے بھی خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی بھی شخص کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو چاہے ہو ہندو ہو، مسلمان ہو، عیسائی ہو، کسی بھی مذہب کا ہو ہمیں اس کو مذہب کی بنا پر تولنا نہیں چاہیے کیونکہ ہمارا دین اسلام ہے اور اسلام نے ہمیں انسانیت کا پرچار کرنا سکھایا ہے۔ زاہدہ حنا نے حال میں گزرتے ہوئے ہر لمحے کی اہمیت کو ماضی کے حالات کے ذریعے پیش کیا ہے۔ انسان اپنے موجودہ حالات سے ناواقف ہے کیونکہ وہ اپنے ماضی کو بھولتا جا رہا ہے حالانکہ وہ ماضی کو بھولنے کے بجائے ماضی کو سامنے رکھ کر مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کرے بلکہ مستقبل کے ساتھ ساتھ وہ اپنے حال کا بھی جائزہ لے اور اس کو بھی بہتر بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ وقت ایک ایسی چیز ہے جس پر کسی کا زور نہیں چلتا ہے

اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ ہر گزرتے وقت کے ذریعے سے انسانی سوچ بدل رہی ہے اور اس سوچ کے ذریعے سے حال میں بھی تبدیلی رونما ہوتی جارہی ہے۔ وقت ہی سب کے لئے مہربان بھی ہوتا ہے اور ظالم بھی ہوتا ہے وقت یہ بہت سی قوموں کو روند ڈالا اور کئی قوموں کو تبدیل کر ڈالا۔ انسان اس چیز کو بھول گیا کہ حال اور مستقبل کو سنوارنے کے لئے ماضی ایک ایسی چیز ہے جس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے اور جس کے ذریعے سے اپنے حال اور مستقبل کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ ماضی بے شمار واقعات کا نہ رکنے والا ایک سلسلہ ہے اور ان واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی گزاری جائے۔

اس لئے مذہب کی بنیاد پر ہمیں سلوک روا نہیں رکھنا چاہیے۔ مذہبی علماء اور نام نہاد مولویوں کا ذکر بھی کرتی ہیں اور ان کو طنز کا نشانہ بناتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ سب مذہب کو صرف ایک ہتھیار کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ جب ان کو کوئی صورت نظر نہیں آتی تو وہ مذہب کو بنیاد بنا کر فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال زاہدہ حنا کا افسانہ ”پانیوں پر بہتی پناہ“ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ موجودہ دور میں ہونے والی سائنسی ٹیکنالوجی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں اور ماضی کے ساتھ اس کا موازنہ کرتی ہیں۔ موجودہ دور میں کسی کی جان لینا بہت آسان کام ہے۔ مگر ماضی میں زہر کے زریعے سے قتل کیا جاتا تھا یا کسی ملزم کو سزا دی جاتی تھی۔ اس حوالے سے وہ سقراط کا تاریخی واقعہ اپنے افسانوں میں پیش کرتی ہیں۔ اس کے بعد تلوار کے ذریعے سے قتل کیا جاتا تھا ایک جگہ سے دوسری جگہ گھوڑوں کے ذریعے سے سفر کیا جاتا اور جنگ یا لڑائی کی جاتی تھی۔ مگر موجودہ دور میں جہاں بہت سی ترقیاں ہوئیں وہاں انسان ایٹمی تباہی کے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ بے شک انسان نے ترقی ضرور کی ہے مگر خود کو مزید خطروں کے پاس لے آیا ہے اور انسانی زندگی کو مزید نقصان پہنچا۔ زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں اس بات کو باور کراتی ہیں کہ پہلے کے دور میں بھی انسانی جان کی کوئی قدر نہیں تھی۔ مگر قتل کرنا مشکل تھا۔ مگر آج کے دور میں ایٹمی بم کے ذریعے سے ایک ملک میں بیٹھے ہوئے دوسرے ملک پر حملہ کروایا جارہا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ملک کراچی کا ذکر بھی افسانے میں کرتی ہیں کہ دہشت گردی اور تشدد عام ہو گئی ہے۔ یہاں اغواء، رشوت اور بھتہ خوری سب کام عام ہو چکے ہیں ہر آئے دن ایک دوسرے کا قتل،

ہڑتال وغیرہ عام سی بات ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں دوسرے ملکوں کے حالات کو دیکھنے کے بجائے اپنے ملک کے حالات کو دیکھنا چاہیے۔ دہشت گردوں اور انتہا پسند قاتلوں کی اکثریت ہے جس کی وجہ سے ہر گھر میں ماتم عام ہو چکا ہے۔ یہاں ہر ایک عام انسان کے لئے زندگی گزارنے اور اگلی نسلون کی بقاء کے لئے بہتر مستقبل کا سوچنا ناممکن ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی جانوں کے بارے میں اور مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں حکمرانوں کے حوالے سے بھی بات کرتی ہیں کہ وہ اپنے مفادات کو حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ چاہے کسی کی جان ہی کیوں نہ لی جائے۔ اس حوالے سے وہ بنگالیوں اور پاکستانیوں کے بٹوارے کو پیش کرتی ہیں کہ ہر کوئی حکمران بننا چاہتا ہے کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہے دوسرے ملکوں کی سازش کی وجہ سے آپس میں لڑائی کرنا اور الگ ہو جانا آسان ہے اور جب کوئی آدمی حکمران بن جاتا ہے تو وہ اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ان کے درمیان ایک طبقاتی فرق آجاتا ہے۔ وہ اپنے اعلیٰ مقام کی وجہ سے دوسروں پر ظلم و جبر کرتے ہیں۔ ان کے لئے سب سے اہم اپنا وجود ہے۔ ان کے اصول عوام کے اصولوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ زاہدہ حنا یہ بات باور کرواتی ہیں کہ حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ ہر انسان کا ایک وقت ہوتا ہے اس وقت اس کو جانا ہوگا۔ اس حوالے سے وہ مختلف تاریخی بھی رہتی ہیں اور ان حکمرانوں کا ذکر کرتی ہیں جنھوں نے حکمران ہونے کی وجہ سے ناانصافی کی وہ آج کدھر گئے۔ زمین کسی کی بھی حکومت کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرتی۔

زاہدہ حنا جہاں سائنسی ترقی کی بات کرتی ہیں وہاں وہ انسانی نفسیات کی بھی بات کرتی ہیں کہ دنیا میں جس قدر ترقی ہو جائے انسانی ذہن میں جو توہمات وغیرہ موجود ہیں وہ ان کو نہیں نکال سکے "رانا سلیم سنگھ" اور "زرد آوازیں"، "زرد ہوائیں" افسانے اس کی عمدہ مثال ہیں۔ "آنکھوں کو رکھ کے طاق میں دیکھا کرے کوئی" اور "بود و نبود کا آشوب" میں وہ انسانی زندگی اور اس کے احساس کو بیان کرتی ہیں۔ کہ انسان اپنی زندگی میں کسی حال میں خوش نہیں رہتا اور نہ وہ کسی سہولت سے راضی ہوتا ہے وہ تسلی اور مطمئن جیسی کوئی چیز اس کے وجود میں شامل نہیں ہے وہ ہمیشہ آگے بڑھنے اور کھوج لگانے میں مصروف رہتا ہے۔ زاہدہ حنا جہاں اپنے

افسانوں میں فرضی کرداروں کی کشمکش دکھاتی وہاں ان کرداروں کے ذریعے سے نو تاریخیت کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ان کے کردار فرضی ہے مگر ماضی اور حال کے ملاپ کے ذریعہ سے تخلیق کیتے گئے ہیں۔ ان کے افسانوں میں کردار سے زیادہ کہانی کی اہمیت ہوتی ہے وہ تاریخ کو بیان کرنے کے لئے کرداروں کا سہارا لیتی ہیں۔ وہ فرضی کرداروں کے ذریعے سے کہانی کو بیان کرتے ہوئے ان میں تاریخی کردار کو حوالے بنا کر پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنے کرداروں کے مکالموں کو اس دور کے مطابق پیش کیا اور کہانی کی ضرورت کے مطابق انہوں نے زبان استعمال کی۔ اپنے کرداروں کے الفاظ، لہجے اور ان کے اتار چڑھاؤ کو بھی سامنے رکھا۔ زاہدہ حنا نے دلکش اسلوب کے ساتھ کہانیاں لکھیں۔ اور ان کہانیوں کے ذریعے سے وہ اپنے عہد کی حقیقتوں کو سامنے لاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں علامتوں، تشبیہ، تلمیح وغیرہ کے ذریعے سے مقامی معاشرے کے بجائے پورے عالمی معاشرہ کی جھلکیاں پیش کرتی ہیں۔ دنیا میں ہونے والی مختلف حصوں میں جنگ کی صورت حال ہو، طبقاتی کشمکش ہو، ہجرت زدہ لوگوں کی حالت ہو، زاہدہ حنا نے اپنی کہانیوں میں انسان کو وقت کے اس سمندر کی سفاک لہروں پر کچھ اس انداز میں ڈوبتے ہوئے اور ابھرتے ہوئے دکھایا ہے۔ وہ مختلف ملکوں کے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی زبوں حالی کو اپنے اسلوب کے ذریعے سے حقیقت کو بیان کرتی ہیں۔ کہ ان ملکوں کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ اپنے ثقافتی ورثے کو بچانے کے لئے اربوں خرچ کر دیتے ہیں مگر اس ملک کے بچوں کی زندگیوں کو بچانے کے لئے بارودی سرنگیں صاف کرنے کے لئے کچھ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ خورات کا انتظام کرنے کے بجائے کھلونا نما بم پھینکے جاتے ہیں اور کی زندگیوں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔

ب۔ نتائج:

زاہدہ حنا کے افسانوں کا نو تاریخیت کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ زاہدہ حنا نے تاریخ و تہذیب کے امتزاج سے افسانے تخلیق کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں تاریخی حوالوں کو نو تاریخیت کے زمرے میں موضوع بنا کر پیش کیا اور موجودہ حالات کو ماضی کے حالات و واقعات کے ذریعے سے بیان کیا تو کہیں انہوں نے ماضی کے حالات و واقعات کو موجودہ حالات سے تشبیہ دی کیونکہ ہم ماضی کو بھلا نہیں سکتے اور بہتر مستقبل کے لئے ماضی کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں مختلف ملکوں کے حالات کو نو تاریخیت کے ذریعے سے پیش کرتی ہیں۔ چاہے وہ ملکی حالات ہوں، سیاسی اتار چڑھاؤ، جنگوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہ کاریاں، دہشت گردی، نفسیاتی پیش نظر رکھا گیا ہو یا مذہبی موضوعات کے حوالے سے ہوں ان کو ماضی کے حالات کو موجودہ دور کے حالات کے ساتھ موازنہ کرتی ہیں اور اپنے افسانوں میں موجود موضوعات کے ذریعے سے معاشرے کی سبھی تصاویر اپنے قاری کے سامنے پیش کرتی ہیں۔

۳۔ زاہدہ حنا ایک نظریے سوچ کو سامنے رکھتے ہوئے افسانہ تخلیق کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ اسلوبی اور فنی طریقوں کو سامنے رکھتے ہوئے بھی تخلیق کرتی ہیں۔ وہ عہد جدید کے افسانے کو ماضی کی روایت کے ساتھ جوڑتے ہوئے نو تاریخیت پیش کرتی ہیں اور ایک منفرد اسلوب سامنے لاتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں زبان و بیاں، تشبیہات، علامت، تلمیح، کردار، مکالمہ، وغیرہ کو ماضی اور حال کی آمیزش سے پیش کرتی ہیں اور اپنے افسانوں میں تاریخ کے مطابق لب و لہجہ اور زبان استعمال کرتی ہیں تاکہ ماضی کو سمجھنا آسان ہو۔

ج۔ سفارشات:

زاہدہ حنا کے افسانوں میں نو تاریخیت پر تحقیق کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان پر درج ذیل طریقوں سے کام کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ زاہدہ حنا نے عورتوں پر بہت زیادہ لکھا اس لئے ان کے افسانوں کو تانیثیت کے حوالے سے تحقیق کی ضرورت ہے۔

۲۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں اکثر و بیشتر فسادات کا ذکر ملتا ہے لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے ان کے افسانوں میں تقسیم ہند، قیام پاکستان، ہجرت کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔

۳۔ زاہدہ حنا کے افسانوں کا معاصر افسانہ نگاروں کے ساتھ تقابلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

۴۔ زاہدہ حنا کے ناولٹ اور ان کے کالموں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

کتابیات:

بنیادی مآخذ:

زاہدہ حنا، رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء

زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۷ء

ثانوی مآخذ:

آسیہ نازلی، زاہدہ حنا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء

ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

ابو الکلام قاسمی، ناول کا فن، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء

اجمل کمال، چوبیس آنکھیں، مشعل، لاہور، ۱۹۹۵ء

احسن فاروقی، ناول کیا ہے، جاوید پریس، کراچی

ایڈوڈ سعید، ثقافت اور سامراج، مترجم یاسر جواد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء

جابر علی، سید، اصطلاحات کا پس منظر، مشمولہ: صحیفہ، لاہور، ۱۹۶۲ء

رشید امجد، ڈاکٹر، یافت و دریافت، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹ء

رشید امجد، ڈاکٹر، رویے اور شناختیں، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء

ژال پال سارتر، ادب کیا ہے؟ مترجم، لئیق باری، مشمولہ، نئی تفقید از صدیق کلیم،، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

سعادت سعید، ڈاکٹر، ادب اور نفی ادب، دستاویز مطبوعات، لاہور، ۱۹۹۲ء

سدام سندہلوی، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی مطالعہ، میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۴ء

سنبل نگار، ڈاکٹر، اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ، دارالنور، لاہور، ۲۰۰۳ء

عابد علی عابد، سید، اسلوب، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۱ء

عابد علی عابد، سید، اصول انتقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء

عارف عبدالمتین، امکانات، ٹیکنیکل پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء

عبارت بریلوی، ڈاکٹر، اردو کے اسالیب سفید، مشمولہ سقیدی تجربے، اردو دنیا، کراچی ۱۹۵۹ء۔

فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تنقید کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، جلد دوم، مکتبہ دریافت، کراچی، ۲۰۰۰ء

قمر رئیس، حرف اول میں، اردو مجلس دہلی، ۱۹۹۲ء

گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، جدیدیت کے بعد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء

مرزا حامد بیگ، نسوانی آوازیں، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء

محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری اور اصلاحات، مثال پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۶ء

مظہر عباس ڈاکٹر، عورت اور زاہدہ حنا، بحوالہ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۳

نصیر احمد ناصر، تاریخ جمالیات، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۳۶ء

یوسف میمن خان، فرانسیسی ادب علی گڑھ، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۲ء۔

وقار عظیم، سید، کہانی اور حسن بیاں، مشمولہ فن اور فنکار، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۶ء

H. Aram veeser, the new 27 Historicism, routledge, London andNew York, 1989

لغات:

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، پندرھواں ایڈیشن جلد ۹، ۱۹۷۴ء

جامع اللغات، جلد اول، جامع اللغات کمپنی، لاہور، س۔ن

فرہنگ آصفیہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء

فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور ۱۹۷۵ء

نور اللغات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

مختصر اردو لغت، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو

ویب سائٹس:

http://www.youtube.com/watch، بوقت 5 بجے، مارچ ۲۰۱۹ء

Blogs.bcu.ac.uk/virtualtherorist/new-historicism۔

https://en.wikipedia.org/wiki/jonathan-Dollimore۔

https://www.shmoop.com/new-historicism

https://www.cliffsnotes.com/cliffsnotes/subjects/literature/what is-new-historicism